URDU ADUBKI TARRAQI ME KHAWATIN KA HISSA

Dr. RAFIYA SULTANA

Library Idara Adbiyat-E-Urdu

اُردو ادب کی ترقی میں

خواتین کا حصّہ

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ام۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

ریڈر اُردو جامعہ عثمانیہ

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

تعداد اشاعت . . . . . قیمت

۵۰۰ ۳ روپے

ناشر

مجلس تحقیقات اُردو حمایت نگر حیدرآباد

ملنے کا پتہ

رفعت کدہ ۔ برکت پورہ

انتساب

شہر میتی معصومہ بیگم کے نام

جنھوں نے نہ صرف حیدر آبادی خواتین میں بیداری کی
رُوح پیدا کی بلکہ شجرِ اُردو کی بھی آبیاری کی

ناچیز
رفیعہ سُلطانہ

حرفِ اوّل

تمتع زِ ہر گوشۂ یافتم
زِ ہر خرمنے خوشۂ یافتم

اُردو ادب اور خواتین ایسا موضوع ہے جس پر اب تک کسی اہلِ قلم نے قلم اُٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ چند تذکرے خواتین کی شاعری کے متعلق لکھے گئے۔ لیکن وہ اوّل تو صرف شاعری سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے ان میں تحقیقی مواد کدو کاوش سے فراہم نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے جب میں نے لکھنے کے لیے اس عنوان کا انتخاب کیا تو اکثر اصحاب نے اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے مواد کی قلّت کے سبب اس پُر خار وادی میں قدم دھرنے سے منع کیا۔ بعض نے اس خیال کے تحت کہ خواتین نے ایسے کون سے ادبی کارنامے چھوڑے ہیں جنھیں محفوظ کیا جائے اس پر اعتراض کیا۔

اِن ہی موخر الذکر اصحاب کی غلط فہمی نے مجھے اس موضوع پر قلم اُٹھانے مجبور کیا۔ مغرب میں گوئٹے کے دانت کے درد پر ریسرچ کرنے والوں کو ڈاکٹر کی ڈگری دی جاتی ہے۔ تعجب ہے ہمارے ملک میں اس قدر اہم حصۂ ادب کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اس میں شک نہیں اوّل اوّل مجھے بہت سی دِقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

بڑا مسئلہ عہدِ قدیم کے کارناموں کے حصول کا تھا۔ دیکھا جائے تو اُردو ادب کی تاریخ اس لحاظ سے تہی دامن ہے۔ اِس لیے اپنی نارسائی کا شکوہ فضول ہے۔ تاریخ ادب اُردو کا متعلم جانتا ہے کہ اُردو ادب کے ابتدائی کارنامے ابھی تک گمنامی میں ہیں۔

چونکہ دکن میں قدیم ادب کی نشوونما ہوئی۔ اس لیے ادب کی دل دادہ خواتین بھی دَورِ قدیم میں دکن ہی میں ملتی ہیں۔ اس بعد دَورِ متوسط شروع ہوتا ہے۔ یہ دَور اُردو شاعری کا دَور اس لیے ہمیں زیادہ تر شاعرات ملتی ہیں۔ ان کے متعلق تذکرے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن انھیں تحقیقی نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں نہ تو اُصولِ تاریخ نگاری کا لحاظ رکھا گیا نہ واقعات کی صحت کا۔ میں نے مختلف تذکروں کو دیکھنے کے بعد ان ہی خواتین کو منتخب کیا۔ جن کے حالات متعدد تذکروں میں ملے۔ اس کے بعد میں نے عہد بہ عہد تبصرہ کر کے زیادہ سے زیادہ واقعات فراہم کرنے کی کوشش کی۔

"دَورِ جدید" خاص تحقیق و کاوش سے مرتب کیا۔ ناول۔ افسانہ۔ شاعری کے علٰحدہ علٰحدہ ابواب قائم کئے۔ پہلے تو بہ حیثیت مجموعی ناول۔ افسانہ۔ شاعری کی مختصر تاریخ بیان کی گئی اس میں خواتین کی کاوشوں کو دیکھا گیا۔ اور اس پر تنقید کی گئی۔ غرض طرح اس کتاب کی تیاری میں تقریباً چار پانچ سو کتابوں کا مطالعہ

کرنا پڑا۔

بڑی دِقّت، فراہمی کتب کی تھی۔ ہمارے سرکاری کتب خانے خواتین کی تصنیفات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ مجبوراً مجھے خانگی کتب خانوں سے مدد لینی پڑی۔

مجھے امید ہے کہ میری مساعی نامشکور نہیں ہوں گی۔

رفعت کدہ برکت پورہ

رفیعہ سُلطانہ

بابِ اوّل

محمّد قلی تا ولیؔ

"تصویرِ کائنات" میں "عورت" ہی کے وجود نے رنگ آمیزی کی ہے۔ دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہر بڑی تحریک کے پس منظر میں صنفِ نازک کا دستِ عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ بظاہر وہ منظرِ عام پر نہیں آتی لیکن ہر ایک تحریک میں اس کا اثر جاری و ساری ہے۔ یوں تو زندگی کا کوئی شعبہ کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں عورت کا دخل نہیں رہا۔ لیکن "ادب" اس کی خاص قلمرو ہے۔ ادب کی بنیاد انسان کے جذبات اور احساسات پر رکھی گئی ہے۔ اس کے ڈانڈے زندگی سے ملے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہر ملک میں ہر ایک قوم کی خواتین نے اس شعبۂ حیات کو اپنی ضیا پاشیوں سے منوّر کیا ہے۔ ہر قوم کے ادب میں خواتین کی فکر کے مظاہروں کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ یہ بات اور ہے کہ اولادِ آدم نے حوّا کی بیٹیوں کی ان کاوشوں کو عام طور پر قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ اور اپنے برابر جگہ نہیں دی۔ لیکن اس بیسویں صدی میں جب فکرِ انسانی ارتقا کے منازل طے کر رہی ہے۔ خواتین کے

ادبی کارناموں کو بہ نظرِ تحسین دیکھا جارہا ہے۔ اس کا ثبوت مسز برل بک کا نوبل پرائز حاصل کرنا ہے۔ اس طرح گویا ابنِ آدم نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بنتِ حوّا زندگی کے اس شعبہ میں مردوں سے کم نہیں۔ ہندوستان میں صنفِ نازک سے تغافل پرانی روایت ہے۔ ہندوستانی مردوں نے زندگی کے ہر ایک شعبے میں اسے پسِ پشت ڈالا۔ اس کی ذہنی قوت کو کبھی ترقی نہیں دی۔ چنانچہ اردو ادب میں بھی خواتین کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ادب کی تاریخ میں کسی عورت نے بار نہیں پایا۔ حالانکہ بہ نظرِ تحقیق دیکھنے سے یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ خواتین نے اردو ادب کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اردو کے ابتدائی زمانے سے خواتین کو اردو سے دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ دورِ قدیم میں بھی جس کی تاریخ ابھی تک مرتب نہیں ہو سکی۔ خواتین مصنف اور شاعر کی حیثیت سے نہ سہی سرپرست کی حیثیت سے ضرور ملتی ہیں۔ اس سوال کے کہ شاعر اور مصنف کی حیثیت سے کسی خاتون کا ذکر کیوں نہیں ملتا، دو جواب ہیں۔ پہلا وہی ہندوستانی سماج کا عدم توازن ہے۔ اس معاشرہ میں ہندوستانی خواتین کی علمی ادبی سماجی حیثیتوں کو نشو ونما پانے اور ابھرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اس کی مکمل تاریخ لکھی نہیں گئی۔

اردو کا قدیم دور دکھنی دور اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ سب سے

پہلے دکن میں ہی اس زبان کو علمی ادبی درجہ دیا گیا۔ چنانچہ ادبی سرپرستی بھی یہیں سے شروع ہوئی ہے۔ اور سب سے پہلے ہماری نظریں اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان بادشاہ کی محبوبہ "بھاگ متی" یا حیدر محل کی طرف اُٹھتی ہیں۔ (شہر حیدر آباد محمد قلی نے اسی کے نام[1] سے بسایا ہے اس کا نام پہلے بھاگ نگر تھا) بھاگ متی ایک رقاصہ تھی۔ لیکن تعلیم یافتہ اور باذوق تھی۔ اس نے مُلّا وجہی (دکن کے مشہور شاعر اور نثر نگار) کی سرپرستی کی۔ مُلّا وجہی نے ایک مثنوی "قطب مشتری" لکھی جس میں بھاگ متی کو مشتری کا نام دے کر اس کے عادات و اطوار قلمبند کئے ہیں۔ قطب مشتری دراصل بھاگ متی اور محمد قلی کے عشق کی داستان ہے۔ محمد قلی نے اپنے دیوان میں بھی بعض نظمیں "بھاگ متی" کے متعلق کہی ہیں[2]۔ اس نے مُلّا وجہی کے علاوہ اور بھی دوسرے شعراء کی سرپرستی کی۔

---

[1] ۔ "حیات محمد قلی" میں ڈاکٹر زورؔ نے اس کا مفصل حال لکھا ہے ملاحظہ کیجیے "حیات محمد قلی" صفحات نمبر ۷۹ ۔ ۸۸ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک باکمال رقاصہ تھی جو چچلم میں رہتی تھی، محمد قلی کو اس سے محبت تھی وہ روز اس سے ملنے چچلم آیا کرتا۔ ایک دن موسی ندی میں طوفان آیا لیکن محبت کے طوفان نے اس طوفان کی پروانہ کی اور شہزادہ نے موسی ندی میں گھوڑا ڈال دیا۔ جب بادشاہ کو ولی عہد کی اس شیفتگی کا علم ہوا تو اس نے موسیٰ ندی پر ایک پل بنا دیا، جو آج بھی پُرانا پل کہلاتا ہے۔ شہزادہ نے بادشاہ ہونے کے بعد اس سے شادی کر لی اور ایک شہر بھاگ نگر بسایا۔ جو حیدر آباد کا پُرانا نام ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے سیر گولکنڈہ میں ایک افسانہ بھی "رقاصہ چچلم" کے نام سے لکھا ہے۔ راقم الحروف نے ایک ریڈیائی خاکہ بھاگ متی لکھا تھا جو دکن ریڈیو سے نشر ہوا۔

[2] ۔ ملاحظہ ہو دیوان محمد قلی غزل شب برات۔

حیات بخشی بیگم

ادب کے سرپرستوں میں بھاگ متی کے بعد اس کی بیٹی حیات بخشی بیگم کا نام ملتا ہے۔ حیات بخشی بیگم محمد قلی کی اکلوتی لڑکی تھی۔ محمد قلی نے اسے بڑی اچھی تعلیم دلوائی۔ میر مومن[1] جیسے جیّد عالم اس کی تعلیم و تربیت کے نگران تھے۔ چنانچہ ان ہی کے ایما سے اس کی شادی اس کے چچازاد بھائی اور محمد قلی کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ سے ہوئی۔ سلطان محمد عالم، فاضل شاعر تھا۔ اس قران السعدین سے پائے تخت میں علم و فضل کا بہت بول بالا ہوا۔ حیات بخشی بیگم ایک بڑی مدبّر بھی تھی۔ سلطان محمد کی جواں مرگی اور سلطان عبداللہ کی کم سنی کے سبب اس کو سلطنت کے اُمور انجام دینے پڑے۔ سلطان عبداللہ کے زمانے میں جب اورنگ زیب نے دکن پر چڑھائی کی تو صلح کی بات کرنے کے لیے سلطان نے اپنی والدہ حیات بخشی بیگم کو روانہ کیا۔ حیات بخشی بیگم کی شخصیت کی وجہ سے اورنگ زیب نے بالآخر شرائطِ صلح منظور کر لیے۔ حیدرآباد کی تاریخ میں یہ "حیات ماں" کے نام سے مشہور ہے۔ عبدالمجید صاحب صدیقی اپنی کتاب تاریخ گولکنڈہ میں لکھتے ہیں۔

"حیدرآباد میں حیات ماں نے اپنی اَسّی سالہ عمر میں تلنگانے کی اس قدر تمدنی خدمات انجام دیں کہ ان کا صحیح موازنہ مشکل ہے۔"[2]

---

[1] ۔ میر مومن حیدرآباد کے ایک جیّد عالم تھے۔ ڈاکٹر زورؔ نے ان کی حیات "حیات میر محمد مومن" کے نام سے لکھی۔

[2] ۔ ملاحظہ کیجیے "تاریخ گولکنڈہ" صفحہ (۳۲)۔

اس ملکی خدمات میں اُردو زبان کی خدمت بھی شامل ہے۔ چونکہ زبان
دکن کا بہت بڑا عنصر ہے۔ حیات بخشی کا باپ (محمد قلی[1]) شوہر (سلطان[2]
محمد) اور بیٹا (سلطان عبداللہ[3]) تینوں اُردو زبان کے شاعر تھے۔
غلب ہے کہ اس ماحول میں حیات بخشی بیگم نے بھی اُردو کی طرف
توجہ کی ہو۔ لیکن اس کی کسی تصنیف یا کلام کا پتہ نہ چل سکا۔

خدیجہ سلطان

حیات بخشی بیگم کے بعد دکھنی دَور میں عادل شاہی
خاندان کی ممتاز ملکہ خدیجہ سلطان کا نام ملتا ہے جو
بیجاپور کی تاریخ میں حاجی بڑے صاحب کے نام سے مشہور ہے۔
خدیجہ سلطان سلطان محمد قطب شاہ اور حیات بخشی بیگم کی دختر تھی۔
عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں محمد عادل شاہ والی بیجاپور سے بیاہی گئی
خدیجہ سلطان نے ادبی ذوق ورثہ میں پایا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے سُسرال
بھی علم دوست میسّر ہوئی۔ چنانچہ بیجاپور میں اس کی ذات ادبی سرگرمیوں
کی روح رواں بن گئی۔ گویا بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں درباروں کا
ادبی ذوق ایک مرکز پر جمع ہوگیا۔ چنانچہ ملک خوشنود (مصنف ہشت
بہشت) کمال خاں رستمی (مصنف خاور نامہ) نصرتی (مصنف علی نامہ)
وغیرہ عادل شاہی دربار سے وابستہ اور شہزادی خدیجہ سلطان کے زیرِ سایہ

---

[1] ۔ اس کا دیوان طبع ہوچکا۔
[2] ۔ یہ خود شاعر تھا۔ اس نے اپنے چچا محمد قلی کے دیوان پر منظوم حاشیہ لکھا۔
[3] ۔ اس کا دیوان ادارۂ ادبیات اُردو کی طرف سے عنقریب شائع ہوگا۔

پرورش پا رہے تھے۔

مَلِک خوشنود گولکنڈہ کا ایک غلام تھا۔ جو شہزادی کے ہمراہ بیجاپو
آیا شہزادی نے اس کی ادبی قابلیت سے خوش ہوکر اسے گولکنڈہ کا
سفیر مقرر کیا۔ ملک خوشنود نے خدیجہ سلطان کی فرمائش پر کئی اُردو
کتابیں لکھی تھیں جن میں "ہشت بہشت" بہت مشہور ہے۔ چنانچہ اس
کے دیباچہ میں شاعر نے اپنی سرپرست ملکہ کی سخن پروری کا ذکر تفصیل
سے کیا ہے۔ اس طرح رستمیؔ کا "خاور نامہ" بھی شہزادی خدیجہ سلطان کی
فرمائش پر لکھا گیا تھا اور اس کے دیباچہ میں بھی ملکہ کی سرپرستی شعرو
سخن کا تفصیلی ذکر درج ہے۔ خدیجہ سلطان نے اپنے بیٹے علی عادل شاہ
کی تعلیم تربیت کے لیے ایک مثنوی لکھنے کی فرمائش کی اور اعلان کیا کہ
جس شاعر کی مثنوی سب سے بہتر ہو گی اسے انعام دیا جائے گا۔ بہت
سے شعراء نے طبع آزمائی کی۔ کمال خاں رستمیؔ جو دربارِ شاہی کے دبیر
خطاط خاں کا بیٹا تھا اس نے بھی قسمت آزمائی کی۔ اس سے طبع زاد
تو کوئی چیز تیار نہ ہو سکی۔ فارسی مثنوی "خاور نامہ" کا ترجمہ اُردو میں کر ڈالا۔
یہ مثنوی شہزادی خدیجہ سلطان کو بہت پسند آئی۔ اور رستمیؔ انعام کا مستحق
قرار دیا گیا۔ اس مثنوی میں حضرت علیؓ کے حالات بیان کئے گئے ہیں مصنف
اعتراف کرتا ہے کہ اگلوں نے سب چیزیں لکھ لیں میرے لیے کچھ نہ چھوڑا۔
لہذا اپنے لیے میں نے ترجمہ پسند کیا۔ خدیجہ سلطان نے اپنے بیٹے علی
عادل شاہ کی تعلیم و تربیت بہت اچھی طرح کی اسی کا نتیجہ ہے کہ

علی عادل شاہ "استادِ عالم" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ علی عادل شاہ کے زمانے میں دکن میں شعر و شاعری کا بہت چرچا ہو گیا تھا۔ نصرتیؔ نے علی عادل شاہ کے حالات "علی نامہ" ایک مثنوی میں لکھے۔ اس نظم میں اس نے اپنا پورا زورِ قلم دکھایا اور اپنے ممدوح علی عادل شاہ کو لاثانی بنا دیا ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے علی نامہ بہت اہم ہے۔

دکن میں گولکنڈہ اور بیجاپور کے بعد کرنول اور سدھوٹ وغیرہ دربار اُردو کی سرپرستی کے لیے مشہور ہیں، چنانچہ پروفیسر عبد القادر سروری لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۱۰۰ ہجری کے بعد جو دکھنی شعراء نمود حاصل کر سکے ان میں کثیر تعداد ویلور سدھوٹ کرنول جیسے مقامات سے تعلق رکھتی ہے۔"

چنانچہ اس عہد میں سدھوٹ کی ایک جاگیردارنی کا نام نظر آتا ہے۔ جس نے اکثر شعراء خصوصاً ابنِ نشاطیؔ کی سرپرستی کی۔ ڈاکٹر زورؔ "اُردو شہ پارے"[1] میں لکھتے ہیں، ابنِ نشاطی نے خود "پھول بن" میں لکھا ہے کہ:۔

"قلعہ سدھوٹ میں ایک دولت مند جاگیردارنی تھی۔ جو

۱۔ اُردو شہ پارے صفحہ ۱۰۹۔

مع اپنے شعر دوست اراکینِ خاندان کے (جن کا بڑی تفصیل
سے ذِکر کیا ہے) ادبیات سے بے حد لگاؤ رکھتی تھی۔ وہ ابنِ
نشاطی کی تصنیف سے بہت محظوظ ہوئی۔"

اِنڈیا آفس کتب خانہ ہند میں پھول بن کا جو مصوّر نسخہ ہے وہ اِسی خاتون کی فرمایش پر تیار کیا گیا تھا۔ (افسوس کہ اس خاتون کا مفصّل حال نہ مل سکا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ ابتدا ہی سے خواتین کو اُردو ادب سے دلچسپی رہی ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ اُردو زبان کی ترقی اور تشکیل میں خواتین نے نمایاں حصّہ لیا ہے۔ جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ اُردو کی تشکیل میں مغلیہ خواتین کا بھی کافی حصّہ ہے۔ جہاں مختلف مذہب کی رانیاں مہارانیاں ہوتی تھیں۔ دراصل کا نام "اردوئے معلّیٰ" قلعہ معلّیٰ ہی کی وجہ سے رکھا گیا۔

مختصراً محمّد قلی تا ولی یعنی ۱۵۸۰ء سے ۱۷۴۱ء کا زمانہ اُردو ادب کا ابتدائی زمانہ ہے۔ اس عہد کے بہت سے مصنفین اور شعراء پردۂ تاریکی میں ہیں۔ اس صورت میں خواتین شاعرات یا مصنفات کا نام معلوم ہونا مشکل ہے۔ جوں جوں اس عہد کی نسبت معلومات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یقین ہے کہ خواتین کے ادبی خدمات بھی منظرِ عام پر آتی جائیں گی۔

بابِ دوّم

مولانا عبد السلام ندوی مصنّف "شعر الہند" لکھتے ہیں کہ:-

"اُردو زبان کا مکمل خاکہ اگرچہ عالمگیر کے زمانے میں تیار ہوا، لیکن اس زبان کی داغ بیل عالمگیر کے زمانے سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔"

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد نہ صرف عالمگیر سے بلکہ خود مغلوں کی آمد ہندوستان سے بھی پہلے رکھی گئی تھی۔

تاریخ ادب کے لحاظ سے امیر خسروؒ شمالی ہند کے اور محمّد قلی دکن کے اوّلین شاعر ہیں۔ لیکن حالیہ تحقیقات کی رو سے محمد قلی سے پہلے دکن میں چند شاعر مثلاً اُستاد فیروز۔ مُلّا خیالی وغیرہ گزرے ہیں۔ چنانچہ ملا فیروز کا کلام دستیاب ہو چکا ہے اور ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس پر ڈاکٹر زورؔ نے مجلّہ عثمانیہ ۱۹۴۴ء میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اس قدیم ترین اُردو کے سلسلے میں مُحمّد قلی کا ضخیم دیوان شہادت کے طور پر موجود ہے۔ جو تقریباً ہزار صفحات پر مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی جانب سے چند سال قبل شائع ہو چکا ہے۔

خسرو اور مُحمّد قلی دونوں شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو کی سرپرستی نثر نویسوں سے زیادہ شاعروں نے کی۔ یوں تو ہر زبان کا ابتدائی دور شاعری کا ہوتا ہے۔ لیکن اُردو کے ساتھ یہ خاص بات ہے۔

ابتدائی دَور یعنی دکھنی دور میں یوں تو چند نثر نگاروں کے نام بھی ملتے ہیں۔ لیکن دَورِ متوسط میں اُردو کا نوخیز طفل شاعروں کی آغوش میں کھیلتا رہا۔ اسی لیے ہم نے اسے "دَورِ شاعری" کہا ہے۔

یہی زمانہ ہے جب میرؔ نے جذبات کی مضراب سے اُردو شاعری کے سوے نغموں کو مرتعش کیا۔ سوداؔ[1] نے ژولیدہ گیسوؤں کو سنوارا۔ غالبؔ نے فلسفہ کے موے قلم سے رنگ آمیزی کی۔ مومنؔ نے نازک خیالی سے نزاکت پیدا کی۔ بالآخر ذوقؔ نے ٹھیٹ "اردویت"[2] کی بنا ڈالی۔

اُردو یوں بھی خواتین میں ہر دل عزیز تھی۔ اس کے ثبوت میں فضلیؔ کی

---

[1] ۔ سوداؔ کا قابلِ قدر کارنامہ زبان کو وسعت دینا ہے۔

[2] ۔ یہ لفظ پروفیسر فراقؔ گورکھپوری نے اپنی کتاب انداز ے میں ذوقؔ کے متعلق استعمال کیا۔ واقعہ ہے کہ روز مرہ کے استعمال سے ذوقؔ نے اُردو کا لطف بڑھا دیا۔

کتاب "کربل کتھا" کی ایک عبارت نقل کی جا سکتی ہے۔ جو شمالی ہند میں نثر کی پہلی تصنیف ہے۔ مصنف نے اپنی والدہ کے کہنے سے کہ عورتیں فارسی نہیں سمجھ سکتیں اسے اُردو میں لکھا۔ خود دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"معنی اس کے عورتوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔ اور فقرات پرسوز و گداز اس کتاب مذکورہ کے بہ سبب لغات فارسی ان کو نہ رلاتے تھے۔ بعد کتاب خوانی سب یہ مذکور کرتیں کہ صد حیف وہزار افسوس جو ہم کم نصیب عبارت فارسی نہیں سمجھتے۔ اور رونے کے ثواب سے بے نصیب رہتے ہیں۔" (دیباچہ کربل کتھا)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خواتین کی زیادہ توجہ اُردو کی طرف تھی۔ چونکہ خود اُردو کی تشکیل ان کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں نے یہاں کے باشندوں سے میل جول پیدا کیا۔ یہاں شادی بیاہ کئے۔ ان کی بیویاں ہندوستانی تھیں اور وہ خود فارسی عربی نژاد تھے۔ شاہی محلات میں کئی رانیاں تھیں۔ ان کی مادری زبان نہ تو فارسی تھی نہ عربی۔ اس طرح فارسی عربی اور سنسکرت وہندی کا میل ملاپ بڑھ گیا۔ عبدالسلام ندوی مصنف "شعرالہند" لکھتے ہیں:۔

"اکبر کے زمانے میں مختلف قوموں کے اختلاط کا ایک مصنوعی سبب اور پیدا ہو گیا یعنی اکبر نے قلعے میں ایک مینا بازار قائم کیا جس میں

۱۔ داستان تاریخ اُردو از حامد حسن قادری و
"مغل اور اُردو" از نصیر حسین خاں خیال۔

عربی، عجمی، ترکی اور ہندی عورتیں اپنی اپنی دوکانیں لاکر سجاتی تھیں اور بیگمات شاہی اُمراء کی بی بیاں اور محل کے تمام لوگ اس میں خرید و فروخت کرتے۔ اس تقریب سے باہم گفتگو کا موقع خوب ملتا تھا۔ اور ایک نئی مخلوط زبان کا خاکہ تیار ہو جاتا تھا۔"

اس طرح خواتین اُردو کی سرپرستی کرتی رہیں۔ دورِ متوسط چونکہ شاعری کا دَور ہے۔ لہٰذا اس دَور میں ہمیں زیادہ تر شاعرات ملتی ہیں۔

بیگم سمرو

صاحب "مغل اور اُردو" لکھتے ہیں "یہ اُردو کی شیدا اور شاعری کی بڑی دل دادہ تھی۔" یہ مشہور خاتون لطف علی خاں[1] کی لڑکی تھی۔ لطف علی خاں شریف اور خاندانی آدمی تھا۔ چھ برس کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ سوتیلے بھائی نے اس سے اور اس کی ماں سے بدسلوکی کی۔ ماں اسے لے کر دلّی چلی گئی۔ وہیں سمرو نامی ایک جرمن افسر سے اس کی ملاقات ہوئی اور اس سے شادی کر لی۔ یہ حالات اکثر تذکروں میں ملتے ہیں۔ لیکن اس کی اُردو کی شیفتگی کے متعلق سوائے صاحب "مغل اور اُردو" اور کسی تذکرہ نویس نے شہادت نہیں دی۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ وہ تعلیم یافتہ تھی اور اس کی تحریر و تقریر میں ہمیں فصاحت و بلاغت بھی نظر آتی ہے۔

شاہِ عالم کے بعد جہاں دار شاہ تخت پر بیٹھا اس کو شعر و ادب کا بہت اچھا ذوق تھا۔ اس کے زمانے میں بقول صاحب "مغل اور اُردو" "شمع

---

[1] اس کے حالات "محذرات تیموریہ" مصنفہ ظہور الحسن میں درج ہیں۔

جلتیں ۔ کنول روشن ہوتے اور واہ واہ کے نعروں سے صحبت گرم ہوجاتی"۔

مرزا علی لطف مصنف "گلشنِ ہند"[۱] نے بھی ان محفلوں کا مزا لیا اور اپنے تذکرے میں ان محفلوں کا بہ لطف ذکر کیا ۔ اس کے زمانے میں خود اس کی محل خاص جینا بیگم کا نام ملتا ہے ۔ جو مرزا بابر کی دختر تھیں ۔

جینا بیگم

اختر شیرانی نے اپنے تذکرے "تذکرۂ بیگمات"[۲] مولوی جمیل احمد بریلوی نے "شاعراتِ اردو"[۳] اور عبدالباری آسی نے "تذکرۃ الخواتین"[۴] میں ان کا شاعر ہونا تسلیم کیا ہے ۔ عبدالباری آسی مصنف "چمن انداز" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مرزا رفیع سودا کی شاگرد تھیں ۔ اشعار زبان کی خوبی کا نمونہ ہیں ملاحظہ ہو ۔

مدعا تم کو یاں نہ آنا تھا ۔۔۔ رو ٹھنے کا عبث بہانہ تھا

یہ کس کی آتشِ غم نے جگر جلایا ہے
کہ تا فلک میرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

نہ دل کو صبر نہ جی کو قرار رہتا ہے
تمھارے آنے کا نت انتظار رہتا ہے

۱۔ "گلشنِ ہند" مصنفہ مرزا علی لطف (کتب خانہ آصفیہ)
۲۔ مضمون مطبوعہ رسالہ حریم ۱۹۳۲ء ۔
۳۔ شاعراتِ اردو صفحہ (۱۵۲)
۴۔ تذکرۃ الخواتین صفحہ (۲۴)

اس کے بعد محمّد شاہ کا عہد شروع ہوا۔ یہ عیش و عشرت کا زمانہ تھا۔ شمشیر و سِنان کی آوازیں مدھم ہو چکی تھیں۔ اس وجہ سے چنگ و رباب کے نغمے بلند ہوے۔ شعر و شاعری کا ذوق کچھ اور بڑھ گیا۔ چنانچہ اس زمانے میں خود اس کی محل قدسیہ بیگم ارہم بائی المقلب بہ ممتاز محل کا نام اکثر تذکروں میں ملتا ہے۔

تمام تذکرہ[1] نویس اس بات پر متفق ہیں کہ وہ موزوں طبع تھی۔ عبدالباری آسی صرف اتنا لکھتے ہیں کہ دہلی کی رہنے والی تھیں۔ لیکن "عذرات تیموریہ" میں ظہور الحسن بلگرامی لکھتے ہیں کہ محمّد شاہ کی محل تھی۔ اس کی صحبت میں مے نوشی کی عادت بھی پڑ گئی تھی۔ بہر حال اس کا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

میں جانتی تھی آنکھ لگی دل کو سُکھ ہُوا
کم بخت کیسی آنکھ لگی اور دُکھ ہُوا

افسوس ہے کہ اس کا اور کلام نہ مل سکا۔ اس زمانے میں خاندان تیموریہ کی بعض شاہ زادیوں کو شعر و سخن کا چسکا تھا۔ چنانچہ اکثر کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

مخفی سلطان جہاں نام اور مخفی تخلص تھا۔ تیموریہ خاندان کی شہزادی تھیں۔ یعنی جہاں دار شاہ کی پوتی اور مرزا قادر بخش صابر گورگانی کی اہلیہ۔ ان کے مندرجۂ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے۔

---

[1] عذرات تیموریہ۔

خدا جانے کیا بات ہے اس میں مخفیؔ
کہ اس ظلم پر دل کو بھاتا بہت ہے

لنڈھائی مے کہ پیں خفتگان خاک شراب
قسم خدا کی کو بڑا ثواب ہُوا

مُحمّد شاہ رنگیلے کے بعد عالمگیر ثانی تخت پر بیٹھا۔ عالمگیر ثانی کے عہد میں اُردو شاعری کا پرچم خوب چمکا۔ اس زمانے میں آبروؔ۔ مضمونؔ۔ مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ حاتم کے نام ملتے ہیں۔ ان لوگوں نے اُردو شاعری کو پروان چڑھایا۔ ان کی بہت سی معاصر خواتین شاعرہ گزری ہیں۔ اس زمانے کی خصوصیت ابہام گوئی اور معنی آفرینی تھی چنانچہ خواتین کے کلام میں بھی اس کا عکس نظر آتا ہے۔

گنا بیگم شوخؔ عالمگیر ثانی کے وزیر عماد الملک کی بی بی تھیں۔ شوخؔ تخلص تھا۔ مولوی جمیل احمد مصنّف "شاعراتِ اُردو" لکھتے ہیں کہ یہ بہت خوش مزاج۔ حاضر جواب اور صاحبِ ذوق خاتون تھیں۔ شاعری کا ذوق فطری تھا۔ میر قمر الدین منّت سے تلمّذ حاصل تھا۔ شوخؔ اپنے وقت کی ایک ممتاز شاعرہ تھیں۔ ان کے یہ اشعار اس عہد کی اچھی عکاسی کر رہے ہیں۔

مقابل ہو اگر لب کے ترے مصری چبا جاؤں
تری آنکھوں سے ہم چشمی کرے بادام کھا جاؤں

اور

جی تک بھی اگر چاہو تو وسواس نہیں ہے
کچھ اور جو ڈھونڈو تو مرے پاس نہیں ہے

اب خواب ہی میں وصل ترا ہووے تو ہووے
ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

نے نامہ و پیغام زبانی نہ نشانی
حالت سے کوئی کیونکر ہو آگاہ کسی کی

لے اڑی طرزِ فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

بسم اللہ بیگم

بسم اللہ بیگم نام بسم اللہ تخلص تھا۔ "شاعرات اُردو" میں لکھا ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئیں۔ وہیں قیام رہا، مشہور شاعر انعام اللہ یقینؔ سے جو مرزا جان جاں مظہرؔ کے شاگرد تھے۔ تلمذ تھا۔ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

نہ کیجئے ناز حُسنِ عارضی پر　　نہ سمجھو یہ بہارِ بے خزاں ہے

تیری الفت میں یہ حاصل ہوا ہے　　گہے مضطر ہے دل گاہے طپاں ہے

عالمگیر ثانی کے بعد شاہ عالم ثانی تخت پر بیٹھے۔ شاہِ عالم ثانی کا زمانہ میرؔ۔ سوداؔ۔ انشاؔ۔ مصحفیؔ۔ جرأتؔ اور رنگینؔ کا ہے۔ اس زمانے میں لکھنؤ دہلی کے مقابل کھڑا ہو رہا تھا۔ لکھنؤ کے آصف الدولہ خود شاعر تھے، اور شاعروں کی قدر دانی کرنا جانتے تھے۔ دِلّی احمد شاہ ابدالی کے حملے میں برباد ہو چکی تھی۔ اس لیے شاعروں کا لٹا ہوا قافلہ لکھنؤ میں پناہ گزیں ہو رہا تھا۔ خود شاہِ عالم کے بیٹے سلیمان شکوہ لکھنؤ چلے گئے۔ سلیمان شکوہ بڑے علم دوست اور سخن فہم تھے۔ اس طرح لکھنؤ میں آصف الدولہ اور سلیمان شکوہ دونوں کی وجہ سے شاعری کا طوطی بولنے لگا اور لکھنؤ رفتہ رفتہ شاعروں کا مرکز بنتا گیا۔ دہلی کے بادشاہ کے اقتدار میں کمی آ رہی تھی۔ سلطنت لُٹ چکی تھی۔ لے دے کے شعر و سخن کی ریاست ان لوگوں کے پاس رہ گئی تھی۔ اور وہ اسی کو حرزِ جان بنائے ہوئے تھے۔ چونکہ زمانے کا رجحان یہی تھا۔ اس لیے خواتین کی دل بہلانے کے مشاغل بھی یہی رہ گئے تھے۔ لال قلعے میں دھوم دھام سے مشاعرے منعقد ہوتے جن میں شاہ زادیاں۔ اُمراء کی بیگمات اور دیگر پڑھی لکھی خواتین حصّہ لیتیں۔ چنانچہ اس عہد میں خود شاہ عالم کی بیٹی بھورا بیگم حیاؔ کا نام ملتا ہے۔

بھورا بیگم حیاؔ | مولوی غلام عباس مصنف "مشاہیر نسوان" مولوی

جمیل احمد مصنف "شاعرات اُردو" اور مولوی عبدالباری آسی مصنف "تذکرۃ النواتین" سب اس پر متفق ہیں کہ اس بیگم کا نام حیات النساء، بھورا بیگم عرف اور حیاؔ تخلص تھا۔ شاہِ عالم بادشاہِ دہلی کی دختر اور شاہِ نصیر کی شاگرد تھیں۔ بچپن سے شعر و شاعری کی طرف رجحان تھا۔ عمر بھر ناکتخدا رہیں۔ کافی عمر پائی تھی۔ غدر سے پہلے بہادر شاہ ظفرؔ کے عہد میں رحلت کی، اشعار :-

نہ کیوں حیرت ہو یارب وہ زمانہ آگیا ناقص
حیا ڈھونڈے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

اور

ہے موتیوں کے ہار میں پَرتو نگار کا
آبِ گہر میں عکس نہاتا ہے یار کا

جعفری بیگم | کاملہ بیگم نام اور جعفرؔی تخلص تھا۔ شاہ نصیر کی شاگرد تھیں۔ زبان میں لطافت اور نسوانیت ہے، شاہ نصیر کی مرغوب صنعتیں مراعاۃ النظیر اور ابہام ان کے کلام میں موجود ہیں۔ اشعار :-

تصوّر اس صنم کا دل میں لائے جس کا جی چاہے
ہماری بات سُن کر آزمائے جس کا جی چاہے

کہا منصور نے سُولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے
یہ اس کے بام کا زینہ ہے آئے جس کا جی چاہے

قادری بیگم قادری بیگم نام اور قادری تخلص تھا۔ جعفری بیگم کی چھوٹی بہن تھیں۔ یہ بھی شاہ نصیر سے مشورہ سخن کرتی تھیں۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ صنائع بدائع کا استعمال اس زمانے کی شاعری کی خصوصیت تھی۔ خواتین کے کلام میں بھی اس کا مظاہرہ ہے:۔

شرط وفا یہ نہ تھی غیر کے گھر جائیے
کچھ تو حیا کیجئے جی میں تو شرمائیے

اور

ترسِ خدا چاہئے اے بتِ ترسا تجھے
عاشقِ رنجور کو اتنا نہ ترسائیے

(اس میں صنعت تجنیس خطی ہے۔ ترس۔ بتِ ترسا۔ ترسائیے)

ہجر میں اے قادری سخت ہے مضطر یہ دل
ایک دن اس سے ضرور ملنے کی ٹھہرائیے

بہو بیگم، جانی مصنف "شاعراتِ اردو" اور مصنف "تذکرۃ الخواتین" نے انھیں قمر الدین خاں کی دختر اور آصف الدولہ کی بی بی بتایا ہے، جو غلط ہے، پروفیسر علیم الدین سالک نے اپنی تصنیف "دخترانِ ہند"[1] میں انھیں آصف الدولہ کی والدہ اور شجاع الدولہ کی بیوی بتایا ہے، یہ صحیح ہے اور دیگر تواریخ سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ ان کا نام

۱۔ "دخترانِ ہند" از پروفیسر علم الدین سالک مطبوعہ ملک ہاؤس لاہور۔

اُمتہ الزہرا بیگم خطاب بہو بیگم اور تخلص جانی تھا۔ محمد اسحاق خاں کی دختر تھیں۔ اپنے وقت کی اچھی شاعرہ تھیں۔ صاحب "تذکرۃ النحواتین" نے ان کو "شاعرۂ گرامی" لکھا ہے۔ پروفیسر علم الدین سالک لکھتے ہیں کہ اس وقت کی وحید العصر بیٹیاں ان کے دربار سے وابستہ تھیں۔ لچھمی نارائن لاہوری۔ محمد منیر، محمد فیض بخش جن کی تصنیف "تاریخ فرح بخش" مشہور ہے۔ ان کے وظیفہ خوار تھے۔ اس کے علاوہ محمد خلیل خوش نویس بھی ان کے درِ دولت سے وابستہ تھے جو تحریر کی اٹھارہ[۱۸] طرزوں کے مالک تھے۔ ان کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:۔

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسمِ ناتواں کی
رگ رگ میں تپشِ غم ہے کہئے کہاں کہاں کی

اور

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمنِ جانی
کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہ آیا

دلہن اہلیہ آصف الدولہ اچھے شاعر تھے اور شعر و سخن کے مربی تھے۔ انھیں کے عہد میں میر تقی میر دلی سے لکھنؤ آئے اور میرزا سودا اور میر سوز نواب شجاع الدولہ کے عہد میں فرخ آباد سے فیض آباد آئے تھے، اس کے بعد آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ آئے۔ ان کا شعر و شاعری کی طرف رجحان دیکھ کر اکثر بیگمات بھی شعر و شاعری میں دلچسپی لینے لگیں۔ ان کی بیوی نواب انتظام الدولہ کی صبیہ تھیں۔ اچھی شاعرہ گزری ہیں۔ "شاعرات اُردو" اور "تذکرۃ النحواتین" میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار

درج ہیں:-

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا
تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

اور

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں
مثال لالہ کے دل داغ دار رکھتے ہیں

ایسے کم ظرف نہیں ہیں کہ بہک جائیں
گل کی مانند جدھر جائیں مہک جائیں

بیگم بیگم بنت میر تقی میر۔ یہ نوجوان مرگئیں مولوی جمیل احمد مصنف "شاعرات اُردو" اور عبد الباری آسی کا خیال ہے کہ مندرجۂ ذیل شعر میرؔ نے اس سانحہ کے بعد کہا تھا۔

اب آیا دھیان اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمھیں بھولے تھے ہم اسباب شادی میں

آسی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ "صاحبِ دیوان" تھیں۔ لیکن اب صرف ایک غزل کے تین چار شعر ملے ہیں جو مولوی جمیل احمد نے "تذکرۂ شمیمِ سخن"۔ "تذکرۃ النواتین" اور "افکار خواتین"[1] کے حوالے سے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

---

[1] مولوی جمیل احمد مصنف شاعرات اُردو نے اکثر اس تذکرے کا حوالہ دیا ہے جو انھیں کتب خانہ یاور یہ گوپا مئو میں دستیاب ہوا۔ یہ تذکرہ خدیجۃ النساء بیگم کا لکھا ہوا ہے اور ۱۸۴۲ء کی تصنیف ہے۔

برسوں خمِ گیسو میں گرفتار تو رکھا | اب کہتے ہو کیا تم نے مجھے مار تو رکھا
کچھ بے ادبی اور شبِ وصل نہیں کی | ہاں یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا
وہ ذبح کرے یا نہ کرے غم نہیں اس کا | سر ہم نے تہِ خنجرِ خونخوار تو رکھا

اس عشق کی ہمت کے میں صدقے ہوں کہ بیگمؔ
ہر وقت مجھے مرنے پہ تیار تو رکھا

نجیبن نجیبن کا حال "مشاہیر نسواں" اور "شمع بُستاں"[1] میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میر تقی میرؔ اور سوداؔ کی ہم عصر تھیں۔ دہلی کے اُردو بازار میں رہا کرتی تھیں۔ ضلع جگت کے کہنے میں بڑا نام پایا۔ کلام محفوظ نہ ہو سکا۔ تاہم انھوں نے جو غزل "پان" کے بارے میں کہی تھی۔ اس کا ایک شعر اب تک محفوظ ہے۔

ٹک دیکھو بعد مرگ میرے انتظار کو
نرگس نے چھالیا ہے ہمارے مزار کو

تصویر یہ دلّی کی رہنے والی میرؔ و سوداؔ کی ہم عصر تھیں۔ مندرجۂ ذیل شعر موجود ہے:۔

چل ہوا کھا، نہ صبا اس دلِ دلگیر کو چھیڑ
کیا مزا پائے گی تو غنچۂ تصویر کو چھیڑ

---

[1] ۔ شاعرات کا تذکرہ از ناظر کاکوری جو حریم ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا، پھر کتابی صورت میں چھپ گیا۔

بنو[1] آسی صاحب "تذکرۃ الخواتین" میں لکھتے ہیں۔ دلی کی ایک پردہ نشین عصمت فروش تھی۔ گلاب سنگھ آشفتہ کو اس سے بہت محبت تھی۔ کسی بات پر دونوں میں ناچاقی ہوئی اور گلاب سنگھ نے خنجر سے اپنا کام تمام کرلیا۔ یہ خبر سن کر بنو نے بے ساختہ یہ اشعار کہے۔ بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں اُسی وقت وہ آشفتہ کی لاش پر گئی اور جان بحق ہوگئی، بعض کہتے ہیں چھ ماہ بعد مر گئی۔

چھوڑ کر مجھ کو کہاں او بُتِ گمراہ چلا
تو چلا گیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا
چھُٹ گیا غم سے مرا کُشتۂ ابرو مَر کر
ایک چھُری میرے گلے پر بھی مری آہ چلا

اور

موت آتی ہے نہ ہے زیست کا چارا مجھ کو
ہائے آشفتہ ترے مَرنے نے مارا مجھ کو
ہے غضب وہ تو مَرے اور جیئوں میں بنّو
موت آجائے تو ہو عُمر دوبارا مجھ کو

اسیر مصنف "مشاہیرِ نسوان" لکھتے ہیں شاہ فخرالدین احمد کے شاگردوں میں تھیں اور "شاعروں میں اسیر بیگمات چغتائیہ میں اخیر اور بدیہہ گوئی میں بے نظیر تھیں۔" کسی نے یہ مصرعہ سُنایا:۔

---

[1] ۔یہی حالات "خم خانۂ جاوید" حصۂ اول مصنفۂ لالہ سری رام میں درج ہیں۔

ع ۔ بے قراری قرار ہے اپنا

تو انھوں نے برجستہ کہا:۔

عشق دارو مدار ہے اپنا　　بے قراری قرار ہے اپنا
خاک میں مِل گئی ہوں جس پہ اسیر　　اسی دل میں غبار ہے اپنا

پارسا نواب میرزا محمد تقی خاں ہوسؔ[1] کی دختر تھیں۔ ہوسؔ آصف الدولہ کے قریبی عزیز تھے۔ پارسا کی شادی تمام عمر اس وجہ سے نہیں کی کہ ہوسؔ کسی کو داماد بنانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ مصنف "شاعرات اُردو" نے تذکرہ "چمن انداز" کے حوالے سے ان کے یہ دو شعر لکھتے ہیں:۔

تن صورتِ حباب بنا اور بگڑ گیا
یہ قصرِ لاجواب بنا اور بگڑ گیا
چلتا نہیں یہ ابلقِ ایّام ایک چال
اکثر یہ بد رکاب بنا اور بگڑ گیا

یاسمن چنبیلی نام تھا، یاسمنؔ تخلص کرتی تھیں۔ انشاء اللہ خاں کی کنیز تھیں، شادی سے نفرت تھی، شادی کے فوراً بعد مر گئیں، صرف ایک ہی شعر مل سکا۔ ملاحظہ ہو ؎

یاد آیا مجھے گھر دیکھ کر دشت　　دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

---

[1] ۔ نواب مرزا محمد تقی خاں ہوسؔ فیض آباد کے رہنے والے تھے ان کے کلام میں سادگی ہے، یہ مصحفی کے شاگرد تھے۔ شعر ملاحظہ ہو:۔

عاشق تو تھا ہوسؔ کہو دیوانہ کب ہُوا
لو اُٹھ گیا حجاب بڑا ہی غضب ہوا

لکھنؤ میں انشاؔ ۔ جرأتؔ ۔ مصحفی اور رنگینؔ کے سبب شاعری میں ابتذال اور فحاشی آچلی تھی۔ اس کا اثر خواتین کے کلام پر بھی ہوا۔ کسی شریف خاتون کے کلام پر تو اس کا اثر نہیں ہوا لیکن تذکروں میں ایک کنیز کا نام ملتا ہے جن کے کلام میں ابتذال ہے، وہ تھیں سلیمان شکوہ کی کنیز ذلیل۔

ذلیل اِن کا نام نوبہار تھا۔ ان کے حالات تذکروں میں نہ مِل سکے، ملاحظہ ہو ایک شعر:۔

تم سے اللہ رکھے اپنی پناہ میں تم تو
ہم سی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

بابِ سوم

شاہِ عالم ثانی کے بعد اکبر شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں شاعری اپنے عروج پر تھی۔ کیونکہ دہلی میں غالبؔ۔ مومنؔ ذوقؔ کا چرچا تھا اور لکھنؤ میں آتشؔ۔ ناسخؔ وغیرہ کا طوطی بول رہا تھا۔

لیکن اکبر شاہ ثانی سے زیادہ شاعری کا قدرداں اس کا بیٹا بہادر شاہ ہُوا۔ یہ خود شاعر تھا اور ظفرؔ تخلص کرتا تھا۔ مغلیہ دربار شاعروں کا

مرکز بن گیا۔ اور دہلی کے کوچہ و بازار شیفتہ۔ غالب۔ مومن۔ آزردہ کی نواسنجیوں سے گونج اُٹھے۔ شاعری کے عروج کی وجہ یہ تھی کہ مغلیہ سلطنت سیاسی حیثیت سے برائے نام رہ گئی تھی۔ بادشاہ کی حالت شاہ شطرنج کی سی تھی۔ شہزادوں اور بادشاہ کی دلچسپی کا ذریعہ شعروشاعری اور موسیقی رہ گیا تھا۔ اسی زمانے میں دلی میں بڑے بڑے کلاونت اور ماہرانِ موسیقی بھی جمع ہو گئے۔ خواجہ محمد شفیع نے "دلّی کے سنبھالے" میں ٹھیک لکھا کہ جس طرح چراغ گل ہونے سے پہلے زور سے بھڑک اُٹھتا ہے۔ اسی طرح دلّی بھی برباد ہونے سے پہلے ہر قسم کے فنون اور پیشوں کا منبع بن گئی۔

"اُردو" کا ستارا روز بروز چمکتا جا رہا تھا۔ ادھر فوٹ ولیم کالج کی بدولت اس کا دامن نثر کے موتیوں سے مالا مال ہو رہا تھا تو ادھر دہلی لکھنؤ۔ رام پور اور حیدر آباد کے دربار شاعری کو پروان چڑھا رہے تھے۔ تعلیمِ نسوان کا چرچا شروع ہو گیا تھا۔ پریس اور مطابع کا رواج ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس عہد میں بہت سی شاعرات "صاحبِ دیوان" ہوئی ہیں۔ افسوس کہ اکثر کے دیوان غدر میں تلف ہو گئے۔ اس عہد میں خواتین کے تذکرے بھی لکھے گئے ہیں جن میں خدیجۃ النساء کا "افکارِ خواتین" سراپائے سخن وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

مرکز دہلی

(بعض شاعرات غدر کے بعد تک بھی زندہ تھیں)

یادؔ یادؔ تخلص تھا۔ نام کا پتہ نہ چل سکا۔ خاندانِ تیموریہ کی شہزادی تھیں۔ مصنف "شاعراتِ اُردو" نے "افکارِ خواتین" کے حوالے سے لکھا ہے کہ مندرجۂ ذیل شعر حالتِ نزع میں کہا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

سرانجام غسل و کفن کر رکھو
تنِ زار سے جاں نکلنے کو ہے

اخترؔ نواب اختر محل نام اور اخترؔ تخلص تھا۔ یہ بھی تیموری شہزادی تھیں۔ ۱۸۷۶ء تک زندہ رہیں۔ نہایت ذہین اور نیک مزاج تھیں۔ تذکرۃ الخواتین اور شاعراتِ اُردو میں ان کا مندرجۂ ذیل کلام درج ہے۔ قدسی کی غزل کی تضمین کی تھی۔ اشعار:۔

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا
لو آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا
تقصیر یار کی نہ قصورِ عدو ہے کچھ
اخترؔ ہمارے دل ہی نے ہم کو جلا دیا

خفیؔ رام بابو سکسینہ اپنی کتاب

Indo European Poets of Urdu and Persian

میں لکھتے ہیں۔ مسٹر بلیک کی صاحبزادی تھیں۔ ہندوستانی نام بادشاہ بیگم تھا۔

یوسف والی کے لقب سے مشہور تھیں۔ مصنف "شاعرات اُردو" اور مصنف "تذکرۃ النواتین" نے بھی ایسے ہی حالات لکھے ہیں۔ خفی انگریزی، اُردو اور فارسی تینوں زبانوں سے واقف تھیں، اُردو سے اتنی اچھی طرح واقف تھیں کہ دوسروں کو اصلاح دیتی تھیں۔ ۱۸۷۷ء تک یعنی جب "تذکرہ چمن انداز" لکھا گیا زندہ تھیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

خود شوقِ اسیری سے پھنسے دام میں صیاد
شرمندہ ترے ایک بھی دانے کے نہیں ہم

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں ہم سے وہ بے وفائی کرتے ہیں

خاکساری دہلی کی ایک پردہ نشین خاتون تھیں۔ ۱۸۷۷ء تک زندہ رہیں۔ نمونۂ کلام:۔

مصیبتوں میں کوئی کام آ نہیں سکتا
کہ اپنے درد کو دل بھی بٹا نہیں سکتا
لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا
کسی کے درد کو ہمدم بٹا نہیں سکتا

خانم یہ دہلی کی ایک خاتون تھیں۔ جن کا تخلص خانم تھا۔ ۱۸۷۷ء تک زندہ تھیں۔ نمونۂ کلام:۔

مجھ کو کدورتوں سے ملاتے ہو خاک میں کہہ دیجئے جو آپ کے دل میں غبار ہو
شمن کا شکوہ تم نہیں سنتے نہیں سہی میرا ہی غم سنو نہ اگر ناگوار ہو

اشک نام معلوم نہیں، اشکؔ تخلص تھا۔ ان کا تعلق بھی دہلی کے شاہی خاندان سے تھا۔ صرف دو شعر ان کی یادگار ہیں:۔

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے
تجھے تو اوبُتِ کافر فقط ترسانا آتا ہے

کسی عاشق کا بے شک استخواں ہے میں نہ مانوں گا
کہ شانہ تیرے رُخ تک اتنا بے باکانا آتا ہے

امراؤ نام حسینی بیگم تھا، اور امراؤؔ تخلص کرتی تھیں۔ دہلی میں قیام تھا۔ بہادر شاہ ظفرؔ کی غزل ایک غزل کہی تھی جس کے ب صرف دو شعر ملتے ہیں:۔

باغِ عالم میں چھڑانا تھا اگر اپنوں سے
پہلے ہی سبزۂ بیگانہ بنایا ہوتا

گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری
تو مجھے ساکنِ ویرانہ بنایا ہوتا

سومی ان کا تعلق بھی خاندانِ تیموریہ سے تھا۔ غدر سے پندرہ بیس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور صاحب "تذکرہ جمیل" کے بیان کے مطابق کہ غدر کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں:۔

شور ہے اس کی بیوفائی کا — بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا
دام زلفِ رسا ارے توبہ — نہ بنا ڈھب کوئی رسائی کا

نازؔ عالم آرا نام اور نازؔ تخلص تھا۔ خاندان تیموریہ کی شہزادی تھیں غدر کے بعد بھی چند سال زندہ رہیں۔ عالمِ شباب میں شعر و شاعری کا شوق تھا۔ غدر سے پہلے شاعری کرتی تھیں:۔

مجھ سے روٹھا وہ یارِ جانی ہے
جان جانے کی یہ نشانی ہے

کر غلامی علی کی تو اے نازؔ ہے اگر شوق بادشاہی کا

ثریاؔ بڑی بیگم نام اور ثریاؔ تخلص تھا۔ مرزا علی خاں کی اہلیہ تھیں جو شاہِ دہلی کے وظیفہ خوار تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مرزا علی خاں نے رحلت کی۔ ثریاؔ بیوہ ہو کر آگرہ چلی گئیں۔ اور آخر زندگی تک وہیں قیام کیا:۔

بتا دیں ہم تمھارے کاکلِ شب گوں کو کیا سمجھے
سیہ بختی ہم اپنی یا اسے کالی بلا سمجھے
جسے دیکھا اُٹھا کر نیم بسمل کر دیا اس کو
تری مژگاں کو ہم سو فار مژگانِ قضا سمجھے

مبارک مبارک النساء نام مبارکؔ تخلص تھا۔ شاہ نجم الدین صغیر خلف شاہ نصیر کی بی بی تھیں۔ شاہ نصیر سے اصلاح لیتی تھیں۔ دہلی وطن تھا۔ ۱۸۸۰ء میں مکہ معظمہ گئیں اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

مجھے کیا خوف محشر ہو مبارکؔ دن قیامت کا پکڑ لوں گی میں گوشہ دامنِ خاتونِ جنت کا

احمدی

احمد بیگم نام اور تخلص احمدی تھا۔ سونی پت پنجاب کے ایک شریف گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ پورا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ مگر ان کے شوہر کو شاعری سے دلچسپی نہیں تھی۔ اس زمانے میں شریف عورتوں کی شاعری کچھ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ اسی واسطے ان کا دیوان غائب کر دیا گیا۔ اسی غم میں احمدی بیگم بیمار ہوئیں۔ ہمیشہ بخار رہنے لگا۔ آخر انتقال ہو گیا۔ جناب آسی صاحب نے احمدی کو "شاعرہ نادرہ" کہا ہے:۔

اسے اس خطا پر پشیمان کیا　　محبّت نے انسان کو انسان کیا
چمن میں بھی مجنوں نے اے احمدی　　گلوں کی طرح چاک داماں کیا

ماہ

یہ دہلی کی رہنے والی تھیں۔ جناب آسی صاحب مصنف "تذکرۂ الخواتین" نے انھیں "صاحبِ دیوان" لکھا ہے۔ یہ لکھتے ہیں کہ وہ کالے میاں نامی ایک بزرگ کی مرید تھیں۔ دیوان ناپید ہے۔ مستزاد کا صرف ایک شعر مل سکا ہے:۔

ماہ کے دل میں تیرا نقشِ محبت جو ہے یار　　نہ مٹے گا وہ کبھی
باغِ جنّت بھی کوئی دیوے تو درکار نہیں　　تیرے کوچے کے سوا

گوہر

گوہر بیگم نام اور گوہر تخلص تھا۔ کابل کے ایک رسالدار کی بیٹی تھیں۔ والدین سے ناراض ہو کر ہندوستان چلی آئیں۔ لدھیانہ میں رہتی تھیں۔ اُردو، فارسی، اور پشتو، تینوں زبانوں میں دستگاہ رکھتی تھیں۔ زبان پر انھیں پوری قدرت حاصل تھی۔ اشعار میں سادگی،

برجستگی اور لطافت کے ساتھ ساتھ شوخی بھی پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

مہوش و گلعذار ہم بھی ہیں　　اک بُتِ نوبہار ہم بھی ہیں

سِتم کر جَور کر ظلم و جفا کر　　پر اے ظالم کبھی مجھ سے مِلا کر

عشق کیسی بلا ہُوا صاحب　　کس سے کہئے یہ ماجرا صاحب

غیر اچھا ہی ہوگا اپنے لیے　　ہم کو کہتے ہو کیوں بُرا صاحب

آپ کے جاں نثار ہم بھی ہیں　　عاشق و دل فگار ہم بھی ہیں

کلام میں روانی اور اثر ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں:۔

آیئے اے جانِ عالم آیئے　　اپنے بندے پر کرم فرمایئے

عید آئی اور گیا ماہِ صیام　　چاند سا منہ آج تو دِکھلایئے

جمعیت یہ عیسائی خاتون میجر آرجسٹن کی اہلیہ تھیں۔ آگرہ میں مقیم تھیں۔ اُردو۔ فارسی۔ اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ رام بابو سکسینہ مصنف

لکھتے ہیں" اس کے پُٹے ٹھمریاں دادرے آج تک بھی گائے جاتے ہیں" نمونہ کلام:۔

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے　　کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے
اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے

ملکہ (Anne) اَنّی نام اور ملکہ تخلص تھا۔ عیسائی تھیں، آخر میں مذہب اسلام قبول کر لیا۔ کلکتہ میں سکونت تھی۔ وہیں اُردو فارسی وغیرہ کی تعلیم پائی۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ سے مشورۂ سخن کرتی تھیں۔ نمونۂ کلام:۔

ہجر میں دل کو بے قراری ہے
جوش فریاد آہ و زاری ہے
آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید
کسی بُت کی جو انتظاری ہے

صاحب اُمّتہ الفاطمہ نام اور صاحبؔ تخلص تھا۔ عبدالباری آسی لکھتے ہیں۔ لکھنؤ کی ایک مشہور شاہد بازاری پردہ نشین تھیں۔ بیمار ہو کر دہلی گئی اور حکیم مومن خاں مومنؔ کی طرف رجوع کر کے علاج معالجہ شروع کیا۔ مومن خود ایک حُسن پرست شخص تھے۔ بجائے مسیحائی کے اور اُلٹے مریضِ عشق ہو گئے۔ اس مرض نے یہاں تک ترقی کی کہ ضبط نہ ہو سکا ایک مثنوی "قول غمین" اس غم میں لکھ ڈالی۔ اشعار میں مومنؔ کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہی شوخی وہی سوز و ساز وہی رنگ اور بات میں بات نکالنے کا وہی ڈھنگ۔ کہتی ہیں:۔

جو خط جبیں کا مرے کاتب ہے اسی کو — دِکھلاتا میرے نامۂ اعمال الٰہی

صاحب جو بنایا ہے تو مانند زلیخا
یوسف سا غلام اک مجھے دے ڈال الٰہی

نزاکت "مشاہیر نسواں" میں مولوی غلام عباس لکھتے ہیں، نارنول کی ایک شاعرہ تھیں۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مصنف "گلشن بے خار" کی دوستی سے شاعری میں نام پا گئیں۔ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ میں دفن ہوئیں۔

کیوں کر نہ میں قربان ہوں جب وہ کہے ہے ناز سے
ہم کو جفا کا شوق ہے اہلِ وفا یاں کون ہے؟

نا منصفی اور اے بتِ بیداد گر ایسی
چاہت تری غیروں کو بھی ہوگی مگر ایسی

"مرکز لکھنؤ"

جس طرح دہلی میں بہادر شاہ ظفر شاعری کے سرپرست تھے۔ اس طرح لکھنؤ میں واجد علی شاہ اختر المعروف بہ جانِ عالم (۱۸۴۷ء ۱۸۵۶ء) خود شاعر اور شاعروں کے قدردان تھے۔ انھوں نے لکھنؤ میں شاعری کو ترقی پر پہنچایا۔ اسی عہد میں لکھنؤ کا ہر بچہ بوڑھا شعر گوئی کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ خواتین بھی محبوب مشغلۂ شاعری میں دلچسپی لیتی تھیں۔ اعلیٰ طبقہ کی خواتین شاعری کے ساتھ ساتھ شعراء کی

سرپرستی[1] بھی کرتی تھیں۔ واجد علی شاہ کی محلات اس خصوص میں قابلِ ذکر ہیں جو بہت اچھی شاعرات تھیں۔ انھوں نے مختلف اصنافِ سخن مثلاً مرثیہ۔ مثنوی۔ مسدس وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ ان میں سے اکثر صاحبِ دیوان ہوئی ہیں۔

حجاب مولوی جمیل احمد مصنف "شاعراتِ اُردو" لکھتے ہیں:۔

"نواب بیگم نام اور حجاب تخلص تھا۔ نواب اعظم علی خاں کی دختر تھیں۔ اور نواب واجد علی شاہ والی اودھ کی محلِ خاص تھیں۔ ان کے ساتھ کلکتہ بھی گئی تھیں"۔

لیکن مراد مارہروی[2] لکھتے ہیں۔ "نواب بیگم غازی الدین حیدر کے وزیر معتمد الدولہ[3] کی پوتی یعنی داروغہ اعظم علی خاں کی بیٹی تھیں۔ علم و فضل، حُسن و جمال میں امتیاز رکھتی تھیں"۔ یعنی تذکروں میں انھیں واجد علی شاہ کی بی بی لکھا ہے۔ لیکن تاریخ سے کوئی سند نہیں ملتی۔ "اپنے عہد کی یہ ایک باکمال شاعرہ تھیں۔ واجد علی شاہ تک ان کے کلام کو قدر و منزلت سے دیکھتے تھے۔ بڑے بڑے مشاعروں میں ان کی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ ان کا دیوان کمیاب ہے۔ نمونۂ کلام:۔

---

[1] اس خصوص میں "چھوٹی شہزادی" بنت امجد علی شاہ کی دختر قابلِ ذکر ہیں جو امداد علی بحرؔ کی سرپرست تھیں۔

[2] "شاہانِ مغلیہ کی ہندو بیویاں اور رانیاں"۔ مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی۔

[3] معتمد الدولہ مشہور شاعر ناسخ کے سرپرست اور شاگرد تھے (آبِ بقا از عبدالرؤف عشرت)

خفا ابھی سے نہ ہو مدعا سُنو تو سہی
قبول کرنا نہ کرنا بھلا سُنو تو سہی

تم سے بتلائیں کیا کہ فرقت میں صدمے دل پر گزرتے ہیں کیا کیا

صدر نواب صدر محل نام اور صدر تخلص تھا۔ نواب واجد علی شاہ کی اہلیہ تھیں۔ صاحبِ دیوان ہوئی ہیں۔ "تذکرۃ النخواتین" کے مصنّف نے "بادشاہ نامہ" اور "نامہ اسم" کو ان کی تصنیف بتایا ہے۔ ۱۸۷۷ء تک زندہ رہیں۔ "مشاہیر نسوان" کے مصنّف "تذکرۂ نادر" کے حوالے سے ان کا صاحبِ تصنیف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ نمونہ کلام:-

جوشِ جنوں میں رات دن سب سے رہا الگ الگ
میں ہوں جدا الگ الگ لوگ جُدا الگ الگ
میں نے بلائیں لینے کو ہاتھ بڑھائے جب ادھر
مُنہ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا الگ الگ
صدر وہ کم نصیب ہوں ہجر میں گر اُٹھاؤں ہاتھ
بابِ قبول سے رہے میری دُعا الگ الگ

یہی غزل "معلم نسوان" کے رسالے میں مولوی محبِّ حسین صاحب نے بھی نقل کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک مصنّفہ بقیدِ حیات تھیں۔

عالم

تذکرۂ "شاعرات اردو" میں نام درج نہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام بادشاہ محل تھا۔ عالم تخلص تھا۔ یہ بھی واجد علی شاہ کی بی بی تھیں۔ صاحبِ دیوان شاعرہ تھیں۔ ان کا دیوان "دیوانِ عالم" اور ان کی مثنوی "مثنوی عالم" کے نام سے مطبع نامی لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔ ناشر اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں۔ "لکھنؤ کی زبان اور محاوروں کا پورا پورا لطف ان دونوں کتابوں سے حاصل ہوتا ہے۔"

امیر احمد علوی لکھتے ہیں[1]:۔

"نواب بادشاہ محل عالم نے بھی ایک مثنوی لکھی بیگماتی زبان میں جس میں منجموں اور جوگیوں کی اصطلاحیں؟ اور شادی بیاہ کی رسمیں؟ نظم کیں۔ علمِ نجوم و موسیقی سے واقفیت کا ثبوت پیش کیا۔ قصہ سحر البیان کی طرز کا ہے۔ مگر دلچسپی میں اس سے کم۔ شائستگی اور متانت جو؟ جنسِ لطیف کی تصنیف میں ہونا ہی چاہیئے۔ وہ موجود تھی، لیکن درد و تاثیر کا نشان نہ تھا۔ مثنوی کی کچھ قدر نہ ہوئی۔ بیگم صاحبہ نے خاتمہ کتاب پر دعا مانگی تھی۔

رہے جب تک کہ مہر و ماہ میں نور — مہدی دیں کا جب تلک ہو ظہور
نوجواں بادشاہ خوش اقبال — والیٔ لکھنؤ خجستہ خصال
جو کہ مشہور جانِ عالم ہے — رونقِ بوستانِ عالم ہے

---

[1] ۔ نگار جنوری ۱۹۳۵ء دیکھئے امیر احمد علوی کا مضمون "اردو کی مشہور مثنویاں"

رہے رونق فزائے خطۂ ہند
فخر ایراں بنائے خطۂ ہند"

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

اے باغباں چمن میں یہ کہہ دے پکار کے
لو بلبلو چلو کہ دن آئے بہار کے

گزاری رات ساری تارے ہی گن گن کے عالم نے
ہُوا شب کو جو دھوکا اپنے اختر کے ستاروں کا

شیریں شیریں ناظر کاکوری مصنف "شمع شبستان" کے خیال کے مطابق نواب شرف الدولہ کی بی بی "بیگا" کا تخلص ہے۔ پہلے پیر محمد سیر سے اصلاح لی۔ پھر شیخ امداد علی بحر سے تلمذ اختیار کیا۔ "صاحبِ دیوان" اور بہت خوش آواز تھی۔ منشی تراب علی محرر مسلم کلب کا بیان ہے کہ یہ بیگم جس وقت کاظمین میں نوحہ پڑھتی تھی۔ تو گنبد گونج اُٹھتا تھا۔ "کاظمین" کی عالی شان عمارت اور محلہ سعادت گنج لکھنؤ اسی بیگم کی یادگار ہیں۔

آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا — ہر طرف تجھ کو جلوہ گر دیکھا
لخت دل آئے شاخِ مژگاں پر — نخل الفت کا یہ ثمر دیکھا

مولوی غلام عباس مصنف "مشاہیر نسوان" نے بھی لکھا ہے کہ یہ شاعرہ صاحبِ دیوان تھی ۱۳ھ میں انتقال کیا۔

سلطان سلطان بیگم نام اور سلطانؔ تخلص تھا۔ نواب معتمد الدولہ[1] بہادر کی دختر تھیں۔ مولوی جمیل احمد نے صاحب "تذکرۂ چمن انداز" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "صاحب دیوان" تھیں۔ قبل از غدر بقیدِ حیات تھیں۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ کہنہ مشق تھیں، ملاحظہ ہو:-

هم تو عاشق اسی کے ہو بیٹھے ۔۔۔ دل سے صبر و قرار کھو بیٹھے
صورت اس کی نظر نہ آئے گی ۔۔۔ دل ہی دل میں کڑھا کرو بیٹھے

عفت نجم النساء نام اور عفتؔ تخلص تھا۔ مولوی مقصود عالم ساکن پھانی کی شاگرد تھیں۔ صاحب دیوان گزری ہیں۔ ان کا صرف یہ ایک شعر مل سکا۔

ہم جو اے جانِ جہاں تم سے بچھڑ جاتے ہیں
صدمے ہوتے ہیں قلق ہوتے ہیں گھبراتے ہیں

قمر حیدری بیگم نام تھا۔ مرزا ہمایوں بخت کی دختر تھیں۔ نہایت طباع اور ذہین تھیں۔ ان کا ذکر "مشاہیر نسوان" اور "شاعراتِ اردو" میں موجود ہے۔ واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ گئی تھی۔ مولوی جمیل احمد مصنف "شاعراتِ اُردو" کے بیان کے بموجب مندرجۂ ذیل اشعار خود ان کے منتخب کئے ہوئے ہیں۔ جو انھوں نے ایک تذکرے کے لیے دئیے تھے۔

---

[1] معتمد الدولہ نواب غازی الدین حیدر کے وزیر تھے۔ اکثر شعرا مثل ناسخ۔ آتش وغیرہ کی سرپرستی کی۔ (دیکھو آبِ بقا)

مرکے بھی خو نہ گئی بادہ کشی کی زاہد
حشر میں ساقی کوثر کا نہ داماں چھوٹا
روز و شب کرتی ہے بلبل یہ قفس میں فریاد۔
ہائے کیا فصلِ بہاری میں گلستاں چھوٹا

دعویٰ تھا عبث یار مسیحائی کا تم کو
اچھا نہ ہوا ایک بھی بیمار تمھارا

دلِ ناشاد کو تم نے نہ کبھی شاد کیا
بھول کر بیٹھے ہمیں" پھر نہ کبھی یاد کیا

مجبوب

سلطان جہاں نام اور مجبوب تخلص تھا۔ نواب واجد علی شاہ کی حرم تھیں۔ ان کا کلام پاکیزہ تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

اُٹھا سکی نہ مصیبت فراقِ یار میں روح
نکل گئی تنِ لاغر سے انتظار میں روح
نہ نکلی حسرتِ دل ایک بھی کہ موت آئی
ہمیشہ تڑپے گی میرے لیے مزار میں روح

کنیز

فاطمہ بیگم نام اور کنیز تخلص تھا۔ نواب نصرت الدولہ بہادر کی دختر کی کنیز تھیں۔ پندرہ سال کی عمر میں علومِ ضروریہ کی تحصیل سے فارغ ہوئیں۔ مولوی جمیل احمد نے تذکرہ "افکارِ خواتین" کے حوالے سے

مندرجہ ذیل شعر نقل کئے ہیں:۔

نقاش نے اس بُت کا مِرے نقش جو کھینچا
ساعد پہ نہ پہونچا تھا کہ جو ہاتھ کو کھینچا

مرکز رامپور

دہلی اور لکھنؤ کی طرح رامپور بھی عرصہ تک اُردو علم و ادب کا مرکز رہا۔ نواب یوسف علی خاں ناظمؔ اور ان کے صاحبزادے نواب کلب علی خاں شعر و سخن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ دہلی کے متعدد شاعران کی دعوت پر رامپور[1] گئے اور ان کے دامن دولت سے وابستہ رہے۔ جن میں مومنؔ۔ غالبؔ اور[2] قابلِ ذکر ہیں۔ ان شاعروں کی وجہ سے وہاں بھی شعر و ادب کا چرچا ہُوا۔ چونکہ اس زمانے میں نہ رسل و رسائل کی آسانی تھی اور نہ طباعت و اشاعت کی سہولت۔ اس وجہ سے عام خواتین کے حالات پردۂ گمنامی میں رہے۔ چند نام وہ بھی اعلیٰ طبقہ کی خواتین کے ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو نواب یوسف علی خاں ناظمؔ والی رامپور کی محلِ خاص "بہو بیگم" تھیں۔

بہو بیگم ان کو شعر کہنے کا فطری ذوق تھا۔ مؤلف "شاعرات اُردو" نے تذکرہ چمن انداز کے حوالے سے ان کے یہ شعر نقل کئے ہیں:۔

۱۔ نگار اُردو شاعری نمبر ۱۹۲۵ء تاریخ ادب اُردو۔

۲۔ غالب غدر کے بعد رامپور گئے تھے۔

شبِ بزم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا
آنکھیں تو لڑاؤں ذرا اس رشکِ قمر سے
پر خوف بھی دل میں میرے آیا کہ ہے ہے
نازک ہے نہ دب جائے کہیں تارِ نظر سے

عابدہ بیگم نواب امراؤ بیگم نام اور عابدہ تخلص تھا۔ نواب یوسف علی خاں والی رامپور کی دختر اور نواب محمد زین العابدین فوجدار ریاست جے پور کی اہلیہ تھیں۔ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ صاحب "مشاہیر نسوان" کی تحقیق ہے کہ فارسی اور اردو کلام کا ایک دیوان اور شکار سے متعلق ایک مثنوی یادگار چھوڑی۔ افسوس کہ نمونۂ کلام نہ مل سکا۔

ضیا ناظر کاکوری مصنف "شمع شبستان" لکھتے ہیں کہ ضیا نواب یوسف علی خاں ناظم کی ایک پردہ نشین شاگرد کا تخلص ہے۔ اس کے اس شعر کی امیر مینائی بھی تعریف کرتے تھے۔

کبھی بہار کبھی موسمِ خزاں دیکھا
نہ ہم نے سیر کے قابل یہ بوستاں دیکھا

"مرکز حیدرآباد"

ماہ لقا بائی چندا یہ ماہرِ فن موسیقی اور شاہی طوائف تھی ۱۱۷۸ھ میں پیدا ہوئی۔ ۱۲۳۶ھ میں انتقال کیا۔ اس نے اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر دونوں کا زمانہ دیکھا۔ نصیر الدین ہاشمی

"خواتینِ دکن کی اُردو خدمات" میں لکھتے ہیں "اس کے موسیقی کے جلسوں میں ارسطوجاہ اور میر عالم جیسی شخصیت کے اصحاب شریک ہوتے تھے۔ میر عالم نے تو ایک مثنوی اس کی مدح میں لکھی۔ یہ نہ صرف ایک اعلیٰ درجے کی شاعرہ تھی۔ بلکہ ایک باکمال ماہرۂ موسیقی بھی تھی۔ اس کا دیوان ۱۲۱۳ھ میں ارسطوجاہ کے حکم سے مرتب ہوا۔ جس کا ایک نسخہ "انڈیا آفس" کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ سرجان ملکم کو بطور تحفہ[1] دیا گیا۔

چندا شعر[2] کی بڑی قدردان تھی۔ اس کے یہاں شعروشاعری کی گرم بازاری رہا کرتی۔ شیر محمد خاں ایمان سے تلمذ حاصل تھا۔ چندا نے تاریخ "دل افروز" اپنی نگرانی میں لکھوائی۔ اور لکھنے والے کی سرپرستی کی۔ تاریخ "دل افروز" دکھن کی معتبر تاریخ خیال کی جاتی ہے۔

چندا نے اپنا دیوان خود ترتیب دیا۔ جس میں ۱۲۵ غزلیں ہیں۔ ہر غزل پانچ شعر کی ہے۔ نہ صرف پنجتن کے نام کے پانچ پانچ شعر کہے ہیں۔ بلکہ تقریباً تمام غزلوں کے مقطعے منقبت میں ہیں۔ چندا کی شاعری کی یہ خصوصیت بالکل انفرادی ہے۔ اُردو شاعری میں کوئی دوسری مثال ایسی نہیں ملتی۔

چندا کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ ایک اور نسخہ مولوی عبدالحق صاحب کی لائبریری میں ہے۔ منشی کریم الدین

---

[1] ۔ حیات ماہ لقا از غلام صمدانی خاں گوہر ص

[2] ۔ مرقع سخن مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ۔

نے "طبقات الشعرا[1] ہند" میں لکھا ہے کہ "چندا کے کلام کی ایک جلد ریکارڈ کمیٹی کے کتب خانے میں ہے۔ جو اس نے سرجان ملکم کو بطور نذر دی تھی" اس کے کلام میں درد۔ اثر۔ سوز و گداز۔ شوخی اور رنگینی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

اوروں سے اگر دوستی رکھتے ہو بہ ظاہر
باطن میں یقیں ہے کہ ہمیں یاد کروگے
ناشاد کئی دل ہیں نہ ملنے سے تمھارے
ایسا کبھی ہوگا جو انھیں شاد کروگے

ہم سے کرے ہے یار بیاں اپنی چاہ کا
حاضر ہیں ہم بھی گر ہو ارادہ نباہ کا

وفا کے ہاتھ سے اپنے کمال عاجز ہیں
جفا تو اس کی تھی معلوم پیشتر ہم کو

کیا ہے ضبط اس پردہ نشیں کے عشق میں میں نے
صدائے آہ ناممکن ہے دل سے تا بگوش آئے

شرف النسا[2] | شرف النساء ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئیں۔ ٹیپو سلطان کے

---

[1] "طبقات الشعرا" صفحہ ( )

[2] "اردو مخطوطات" از ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔

مشہور سپہ سالار میر میراں سیّد اشرف کی پوتی اور سیّد غلام دستگیر قادری کی بی بی تھیں۔ ان کے دادا کو لارڈ ویلزلی نے سند اور ماہانہ وظیفہ عطا کیا تھا۔ ان کے بیٹے سیّد احمد قادری اور پوتے مولوی سیّد رحمت اللہ حیدر آباد کی معروف ہستیاں ہیں۔

سیّد رحمت اللہ صاحب بیرسٹرایٹ لا محکمۂ رجسٹریشن کے ناظم ہیں۔ جاگیردار کالج کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔

شرف النساء قدیم طرز کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ مذہبی کتب کا مطالعہ زیادہ کیا تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے اپنے کلام میں صرف عشقِ حقیقی اور نعتیہ مضامین پر اکتفا کیا ہے۔ ان کا "مخطوطہ" کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو میں موجود ہے۔ ڈاکٹر زورؔ "اُردو مخطوطات" میں لکھتے ہیں "یہ ان کا مکمل مجموعہ کلام اور خود ان کا مبیضہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے طباعت کے لیے اس کو مرتب کر رہی تھیں۔ اور تکمیل کی خاطر کسی اُستاد سے اس مجموعے پر اصلاح لی تھی۔ چنانچہ جگہ جگہ حاشیہ پر اصلاحی الفاظ اور مصرعے درج ہیں۔ اس مجموعے میں تقریباً ایک ہزار شعر ہیں۔ جو زیادہ تر غزلوں کی اور کچھ مختصر نعتیہ قصیدوں اور مستزادوں کی شکل میں ہیں[1]"۔ یہ مجموعہ طبع ہو جائے تو اُردو دُنیا ایک اچھی شاعرہ سے روشناس ہو جائے گی۔ اُردو کی قدیم شاعرات میں سے بہت کم ایسی ہیں جن کے کلام کا اتنا مکمل مجموعہ محفوظ ہے۔

---

[1] "اردو مخطوطات" از ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ۔

مندرجۂ ذیل شعر میں شرّف کس خوبی سے استعمال کیا ہے ۔

دِکھلا کے کلام اپنے شرّف دے مجھے شتاب
پائی ہے شرّف دیکھ تجھے تیری پرستار

بس کافی ہے ایک نظرِ کرم میری شفا کو
تیرے مریضِ عشق کو درماں نہیں درکار

نصیر الدین ہاشمی نے مندرجۂ ذیل اشعار مرثیے کے دیئے ہیں:۔

دِسیا چاند غم کا گگن میں حسینؑ
پڑیا زلزلہ سب زمین میں حسینؑ
رسالت کے "کفن[1]" کا منوّر "چندر[2]"
چھپا کربلا کے رَن میں حسینؑ
کیا "کیں" نے نیل قبا تن اُپر
دیکھیا جب یکیلا چمن میں حسینؑ

فاطمہ

"خواتینِ دکن کی اُردو خدمات" میں نصیر الدین ہاشمی نے تیرھویں صدی کی ایک اور شاعرہ "فاطمہ" کا ذِکر کیا ہے۔ ان کے حالات نہ مل سکے ۔ مولوی صفی الدین مرحوم کے کتب خانے میں ایک

---

[1] کفن یعنی آسمان
[2] چندر یعنی چاند

بیاض ہے جس سے موصوف نے ان کے مندرجۂ ذیل اشعار نقل کئے ہیں:

کن کے گلے پر ظلم سوں خنجر پھرا دریغ
حسرت سے ہاتھ مارتے خیرالامم گئے
قائم سجن پو ظلم ہوا کربلا منے
کرتے ہیں یاد تجھ کو دولن کربلا منے
محشر میں فاطمہ کے والی ہے فاطمہ
بھر جام ہات کو پلاویں گے فاطمہ (کذا)

اگر شرف النساء بیگم اور فاطمہ کے ان اشعار کو دیکھا جائے جن کا ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے تو معلوم ہوتا ہے دکھن کی زبان پر ابھی تک ولی اور محمد قلی کا اثر تھا۔ مثلاً۔ سون بجائے سے ۔ پو بجائے پہ ۔ منے بجائے میں وغیرہ اس کے برخلاف شمالی ہند میں مرزا مظہر جان جاں وغیرہ کی بدولت زبان کی اصلاح ہوگئی تھی۔ چنانچہ سرور جنگ نے اپنی کتاب "کارنامہ سروری"[1] میں دکھنیوں کی زبان و شاعری کا مذاق اڑایا ہے۔ لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دکھنی جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھنے کے عادی تھے۔ اس کے علاوہ رسل و رسائل کی اتنی آسانی نہ تھی کہ انھیں دلی اور لکھنؤ کے اس انقلاب کا حال معلوم ہوتا۔ اس لیے مردوں کی زبان پہ

---

[1] ۔ ملاحظہ ہو کارنامہ سروری باب دوم سفر حیدرآباد۔

کم لیکن عورتوں کی زبان پر وؔلی دکنی اور مُحمّد قلی کا اثر نسبتاً زیادہ تھا۔

"مرکز کلکتہ"

شرف النساء ۳۸ھ - ۱۸۸۰ء - ان کے حالات مجھے جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی ریڈر اُردو و فارسی ڈھاکہ یونیورسٹی کی عنایت سے ملے۔ موصوف نے ان کا کلام اپنے ایک دوست پروفیسر محفوظ الحق مرحوم کی ذاتی لائبریری میں کلکتہ میں دیکھا تھا۔ اس خاتون نے چار ہزار سے زیادہ اشعار کی ایک مثنوی لکھی ہے۔ جو طبع نہیں ہوئی۔ مصنّفہ نے اس مثنوی کا کوئی خاص نام نہیں رکھا، صرف اسے "مثنوی" کہتی ہے، موصوف اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

" ان کا حال کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔ اس وجہ سے نایاب ہے۔ جو حالات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ یہ مثنوی نواب ہمایوں قدر سیّد مُحمّد تقی کی ملک تھی۔ موصوف فریدوں جاہ کے بیٹے تھے۔ مصنّفہ ان ہی فریدوں جاہ کے دربار سے وابستہ تھی۔ مصنّفہ نے اس کتاب کو تیرھویں صدی کے آغاز میں لکھا۔ کہانی معمولی مثنویوں کی سی ہے۔ یعنی پری اور انسان کے عشق کی داستان۔ اس مثنوی میں نئی بات یہ ہے کہ انسان پری پر عاشق نہیں ہوتا بلکہ جنوں کا بادشاہ ایک ارضی شہزادی پر عاشق ہوتا ہے۔ اور ایک انسان کی مدد سے کامیاب ہوتا ہے۔ انداز بیان سیدھا سادہ ہے۔ روانی بھی ہے۔ زبان کی

غلطیاں بہ کثرت ہیں، عربی الفاظ کی صحت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے جس طرح بولتی ہیں اسی طرح لکھتی ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مثنوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عریانی سے احتراز کیا گیا ہے۔ اکثر مثنویوں میں مخصوص موقعوں پر حیا سوز اور عریاں اشعار ملتے ہیں۔ لیکن شرف النساء نے اس موقع پر اختصار سے کام لیا اور عریانی سے گریز کیا ہے۔ چنانچہ "دل دار" اور "دلبر" کی ملاقات ان تین شعروں میں ختم کر دی ہے۔

ملے پھر تو ایسے وہ دو مہ لقا

ادھر سے تھی شوخی ادھر سے حیا

اب آگے کروں کون خلوت کی بات

وہ سمجھے میسّر ہو جس کو یہ رات

وہی خوب واقف ہے اسرار سے

ملے بعد مدّت جو دل دار سے

کولکتہ میں فورٹ ولیم کالج نے اُردو کے بہت سے ادیا اور شعرا کو جمع کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کے سوا اس عہد کی کسی اور خاتون کا نام تذکروں میں نہیں ملتا۔

"مرکز بھوپال"

شاہ جہاں بیگم شیریں ۱۸۳۸ء میں تولد ہوئیں یہ عالم و فاضل تھیں۔

انھیں شعروادب کا ذوق قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ مولوی محمد امین مارہروی لکھتے ہیں "ان کا بڑا کارنامہ اُردو ادب کی سرپرستی ہے۔"[1] وہ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ فارسی میں ان کا تخلص "تاجور"[2] اور اُردو میں "شیریں" تھا۔ نہ صرف شاعرہ تھیں بلکہ شعرا کی سرپرستی کرتی تھیں، چنانچہ ان ہی کے ایما سے مرزا مہدی شیرازی نے ایک تذکرہ فارسی میں "تذکرۃ الخواتین" کے نام سے لکھا جس میں تمام گزشتہ زمانے کی مشاہیر خواتین کا حال لکھا ہے۔ ان کی شاعری کی یادگار دو دیوان اور ایک مثنوی ہے۔

۱۔ تاج الکلام ۔ ۲۔ دیوان شیریں اور مثنوی صدق البیان۔

(نثر میں بھی ان کی چند کتابیں شائع ہوئی ہیں جن کا ذکر نثر میں آئے گا)

"مثنوی صدق البیان" میں پرانے زمانے کی تحقیق کے مطابق آسمان کی حالت، برجوں کی اشکال، تبدیل موسم کے وجوہ، زمین کی ماہیت اور پیداوار کا ذکر ہے۔ پھر ہندوستان کی زمین کی کیفیت اور اجناس غلہ کی پیداوار کا تذکرہ ہے۔ اس مثنوی سے ہندوستان کی جغرافیائی و طبعی حالات اور قدیم بہ کثرت پر روشنی پڑتی ہے بہ اعتبار بندش الفاظ تلمیح و تمثیل و استعارہ ان کی شاعری قابلِ قدر

---

[1] بیگمات بھوپال ص

[2] مولوی جمیل احمد نے اپنی کتاب شاعرات اُردو میں فارسی تخلص "شاہ جہاں" بتایا ہے لیکن "بیگمات بھوپال" میں و۔ ا۔ صاحبہ اور محمد امین صاحب مارہروی نے تاجور لکھا ہے۔

اور لایقِ مطالعہ ہے۔ نمونہ کلام اُردو :۔

قابل پابوس کیا ہم بھی نہیں ہیں آپ کے
کیا خطا کی ہم نے گر چُوما قدم کو کیا ہُوا
دردِ فراق ہی میں سدا مبتلا رہے
دُنیا میں اس طرح بھی رہے ہم تو کیا رہے

اور

پہلی سی رکاوٹ نہیں اب ہے نظر لطف
آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا
فرقت میں تیری ساتھ دیا اپنا اسی نے
کام آیا بہت یہ دلِ ناکام ھمارا

اور

غم سے مرتا ہوں نہ شرمائے اجل بالیں پر
کوئی زندہ نہ کرے نام تمھارا لے کر

باب چہارم

نثر

اُردو کا متوسط دور یعنی ولی تا غالب نثر کے لحاظ سے بالکل تہی دامن ہے۔ "کربل کتھا" اور شاہ رفیع الدین کا "ترجمہ قرآن" شمالی ہند میں

نثر کا اوّلین سرمایہ ہیں۔ سوداؔ نے اپنے دیوان مرثیہ کا دیباچہ اُردو میں لکھا۔ اس کے بعد میر عطا حسین تحسینؔ کی "نوطرز مرصع" اور انشا کی "دریائے لطافت" وغیرہ وجود میں آئیں۔

۱۸۰۰ء سے انگریزوں نے بھی نثر کی طرف توجہ کرنی شروع کی۔ ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد پڑی۔ اس وقت سے اُردو تحریر کی پیچیدگی اور اس کا تکلف دُور ہُوا اور عبارت میں سلاست و روانی پیدا ہوئی۔ میر امن کی "باغ و بہار" اُردو کی سادہ سُلجھی ہوئی تحریر کا ہے۔ اس کے بعد غالب اور سرسیّد کی تحریروں نے اُردو ادب میں انقلاب پیدا کر دیا۔

اس عہد میں نثر نگار خواتین کے نام بہت کم ملتے ہیں۔ جو چند ملے ہیں ان میں قابلِ ذکر بیگمات بھوپال۔ بیگمات اودھ اور خاندان تیموریہ کی شہزادیاں ہیں۔ بھوپال کی بیگمات اُردو ادب کی سرپرست بھی ہوئی ہیں۔ اودھ کی بیگمات صرف شاعرہ ہی نہیں بڑی اچھی نثر نگار بھی تھیں۔ اس سلسلے میں واجد علی شاہ کی ایک محل کے مکاتیب مجھے ملے ہیں جو افسوس کہ اب تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے ہیں۔

عرصہ گزرا خاندان تیموریہ کی ایک شہزادی کا "ایک خط" ساقی میں شائع ہوا تھا۔[1]

---

[1] ساقی جلد نمبر شمارہ ( ) ماہ سنہ

مغلیہ شہزادی[1] کے خط (ذیل کا خط ڈاکٹر اختر حسین نے خواجہ حسن نظامی کے کتب خانے سے حاصل کیا ہے) کے متعلق ڈاکٹر اختر حسین لکھتے ہیں :-

"ہم ذیل میں شاہِ زمانی بیگم کا ایک خط درج کرتے ہیں۔ یہ خط بے بسی اور بے کسی کا مرقع ہے۔ انھوں نے بہادر شاہ کی زندگی میں یہ خط رنگون سے اپنی ماں کو دلّی بھیجا تھا۔ غدر کی تاریخ میں اس خط کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ افسوس کہ اب اصل خط کہیں نہیں ملتا اس کی نقل کے لیے حضرت خواجہ حسن نظامی کا ممنون ہوں۔"

شہزادی کا خط

از رنگون ملکِ برما۔ دلّی کے قیدی بادشاہ کا گھر۔

اماں حضرت کو آداب ! میں آپ کی بیٹی کالے پانی میں ہوں۔ اپنے وطن دلّی سے ہزاروں کوس دُور۔ میکے سے جُدا اور ایسی جُدا کہ اب جیتے جی کبھی کسی میکے والے سے ملنے کی آس نہیں ہے۔ آپ کا خط سائیں سبیل شاہ صاحب لے کر آئے تھے۔ جب وہ حضور بہادر شاہ سے باتیں کر رہے تھے تو میں نے چلمن میں سے

---

[1] ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ایم۔ اے۔ ڈی۔ لیٹ کا مضمون "آخری مغل شہنشاہ رنگون میں" مطبوعہ ساقی جون ۱۹۳۴ء۔

دیکھا۔ وہ زار زار رو رہے تھے اور حضور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ باتیں کر کے سائیں صاحب ان کے (جواں بخت) کے ساتھ میرے کمرے میں آئے اور خط دیا۔ خط دیتے ہی رونے لگے۔ مجھے بھی وہ وقت یاد آگیا۔ جب میری شادی ہوئی اور غالبؔ و ذوقؔ کے سہروں کا چرچا ہوا۔ اور میں نے آپ کے ذریعے وہ دونوں سہرے منگوائے تو یہی سائیں سبیل شاہ صاحب لے کر آئے تھے۔ اس وقت میں ولی عہدِ ہندوستان کی ملکہ تھی۔ سائیں سبیل شاہ سات دیوڑھیوں اور پہرے داروں کو عبور کر کے مجھ تک آئے تھے۔ آج میں ایک جلاوطن قیدی ہوں اور ایک قیدی کی بی بی ہوں۔ قیدی ساس اور سُسرے کی بہو ہُوں۔ اب نہ یہاں وہ لال قلعہ ہے نہ سات دیوڑھیاں ہیں۔ نہ پہرے دار، بس لکڑی کا بنا ہُوا ایک مکان ہے جو برسات میں ٹپکتا ہے۔ اور جس میں دو چار کمروں کے سوا زیادہ گنجائش نہیں ہے . . . . . اماں بی! یہ قید ایسی قید ہے کہ نہ ہم قید ہیں نہ آزاد ہیں۔ نہ زندہ ہیں نہ مُردہ ہیں۔ اپنے گھر میں اپنے شہر میں اپنے ملک میں جا نہیں سکتے۔ اس لیے قید ہیں۔ طوق اور زنجیر گلے اور پاؤں میں نہیں ہے۔ اس لیے آزاد ہیں سب دوستوں قرابت داروں سے جُدا ہیں۔ اِس لیے مُردہ ہیں۔ بولتے چالتے کھاتے پیتے ہیں اِس لیے زندہ ہیں کہاں تک

لکھوں سائیں سبیل شاہ کی زبانی سب حالات معلوم ہوجائیں گے
سعیدہ سلطانہ (بڑے بھائی کی لڑکی) کو گود میں لینا، سینے
سے لگانا مُنہ چُومنا اور کہنا کہ پھوپی کا پیار لو۔ ابا حضرت کو
یاد نہ کرو۔ ہمیں بھی بھُول جاؤ نہ وہ ملیں گے نہ ہم ملیں گے۔
وہ قبر میں ہیں اور ہم بھی قبر میں ہیں۔ ان کی قبر وطن میں ہے
اور ہماری قبر پردیس میں ہے۔ جب تک ہم زندہ ہیں۔ قبر
میں ہیں، اور جب ہم مرجائیں گے تب بھی قبر میں ہوں گے۔"

یہ خط شہزادی نے اپنی ماں کو لکھا تھا۔ جو قلعہ معلیٰ کی پاکیزہ نثر کا اچھا نمونہ ہے۔ الفاظ میں جذبات سُمو دیئے ہیں۔ یہ خط بھی غالبؔ کے مکاتیب کی طرح سلیس اور سادہ ہے۔ اس دَور کی تحریروں کی طرح پیچیدہ اور مخفی نہیں۔

بھوپال کی بیگمات صاحبِ تصنیف ہونے کے علاوہ بہ حیثیت سرپرست خاص امتیاز کی مالک ہیں۔

منور بیگم سنہ ۱۶۸۸ء

یہ خلیل اللہ کی دختر تھیں۔ ان کی یادگار "گوشۂ عافیت"[1] علمِ دین کا ایک رسالہ ہے جو کتب خانۂ آدارہ ادبیات اُردو میں موجود ہے۔ مصنفہ نے ۱۲۔ ابوابِ اُردو میں پوری کتاب کو مرتب کیا تھا۔ مصنفہ اور زمانۂ تصانیف کی نسبت معلومات خود کتاب میں درج ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد عالمگیر کے زمانے میں کرنول کے

---

[1] "اُردو مخطوطات" ص۔

علاقے پر حکومت کرتے تھے۔ وجہ تصنیف مصنفہ اس طرح بیان کرتی ہیں:[1]

"یہ کمینہ سمجھی کہ دین کا حاصل کرنا فرض ہے اس واسطے ضروری مسلے اور احکام وارکان نماز اور روزہ اور حج وزکواۃ وغیرہ کے سب کتابوں سے چن لے کر اس رسالے کے ۱۲ ابواب میں جمع کئے۔"

آغاز میں حمد ونعت قدیم مثنویوں کی شکل میں لکھی ہے۔ نمونۂ تحریر:-

"بعضے روایت میں مبالغہ اس میں بہت کیا ہے۔ اور اُنگلی سے پانی ناک میں پراگندہ پھرّہ کو پہونچے۔ اور بعض روایت میں یہ مبالغہ کو "مسحیت" کیا (کہا) ہے۔"

قادر بی بی مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ معین المہام امور مذہبی کی حقیقی ممانی اور ڈاکٹر زورؔ کی پڑنانی تھیں۔ ان کو علم و فضل کا خاص ذوق تھا۔ کئی کتابیں انھوں نے لکھیں اور لکھوائی تھیں۔ ڈاکٹر زورؔ نے مندرجۂ ذیل "مخطوطات" کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو میں انہی کے کتب خانے سے بطور عطیہ داخل کئے۔

۱۔ وفات نامۂ سرورِ کائناتؐ ۔ ۲۔ وفات نامۂ خاتونِ جنتؑ۔
۳۔ جگر نامۂ خاتونِ جنتؑ ۔ ۴۔ رسالہ بے نماز۔
۵۔ روضۃ الاطہار (یہ اللہ رکھی بیگم کے نام ایک خط ہے) جس میں مرثیے ہیں۔

خورشید النساء ان کی اپنی کوئی تصنیف نہیں۔ دو مثنویوں کو انھوں نے

---

[1] "گوشہ عاقبت" (مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد) ص۔

نقل کیا جو مندرجۂ ذیل ہیں:۔

۱۔ ضیافت نامہ ۔ ۲۔ ظفر نامہ

ضیافت نامہ شاہ غوثی کی تصنیف ہے۔ یہ سو اشعار کا قصیدہ ہے۔ جس میں آنحضرتؐ کی ضیافت کا حال رقم ہے۔ ظفرنامہ میں محمدؐ بن حنفیہ کے حالات زندگی اور جنگ اور شہادت کا حال قلمبند کیا گیا۔

گوہر بیگم قدسیہ یہ ۱۷۹۹ء میں پیدا ہوئیں، کوئین وکٹوریہ نے کا خطاب دیا۔

یہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ محمد امین صاحب "بیگمات بھوپال" میں لکھتے ہیں:۔

"گو خود ان کی کوئی تصنیف یادگار نہیں مگر انھوں نے شعراء وعلما کی سرپرستی کی۔"

سکندر جہاں بیگم بہادر شاہ ظفر کی ہم عصر تھیں۔ ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئیں۔ غدر کے پُرآشوب زمانے میں بہادری اور ہمت سے اپنی ریاست بھوپال کو بچائے رکھا۔ محمد امین صاحب اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں[1]۔

"اگرچہ انھوں نے صرف درسی کتابوں کی تعلیم پائی تھی لیکن قابلیت کا بڑے بڑے لوگ سکہ مانتے تھے۔"

انھوں نے بھوپال میں اہلِ قلم حضرات کا ایک مرکز قائم کر لیا تھا جہاں تصنیف وتالیف کا کام ہوتا تھا۔

---

[1] ۔ بیگمات بھوپال مصنفہ محمد امین مارہروی اڈیٹر السلطان۔ مطبوعہ سلطانی پریس بھوپال۔

چنانچہ ۱۸۵۶ء میں رجب علی بیگ سرور نے "شورِ عشق" ان ہی کی ایما سے لکھی۔ اس کی شان نزول محترمہ و۔ا۔ صاحبہ نے اپنی تصنیف بیگماتِ بھوپال[1] میں اس طرح بیان کی ہے:۔

"سکندر جہاں بیگم ایک مرتبہ پورب تشریف لے گئیں۔ تو مرزا رجب علی بیگ سرور کو باریاب کیا جو اس زمانے کے مشہور انشائ پرداز تھے۔ ان سے اصرار سے ایک قصہ لکھنے کی فرمایش کی۔ قصے کا مضمون یہ تھا کہ بھوپال کے کسی امیر نے نرسارس کا شکار کیا۔ اس کی مادہ اس کے لیے کڑھ کڑھ کر مر گئی۔ وقت بہت کم تھا اور فرمایش یہ تھی کہ جلد لکھا جائے۔ مرزا صاحب نے فسانہ عجائب کے انداز پر قصہ لکھ کر پیش کیا۔ جس کے صلے میں خلعت اور (۵۰۰) روپے نقد عطا فرمائے۔ قصہ "شورِ عشق" کے نام سے لکھنؤ میں چھپ چکا ہے۔"

(۲) شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تفسیر "فتح العزیز" کو مکمل کرانے کی طرف توجہ منعطف کی۔ ان کے شاگرد کو پانسو روپے ماہانہ پر مقرر کیا۔ چند اور مددگار مقرر کئے۔ کئی سال کے بعد "والمحصنات" کی چار جلدیں تیار ہوئیں جو ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

(۳) "تاریخ سکندری" بالکل تزکِ بابری کی طرز پر مرتب کرائی، اس کے علاوہ سفرنامہ "آئینِ سکندری" لکھوایا۔

---

[1] ۔ بیگمات بھوپال و۔ا۔ صاحبہ (بلقیس بیگم مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب لاہور)

شاہ جہاں بیگم[1] جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے۔ شاہ جہاں بیگم کا بڑا کارنامہ اُردو ادب کی سرپرستی ہے۔ ۱۸۷۱ء میں نواب صدیق حسن خاں سے ان کا عقد ثانی ہوا۔ نواب صاحب بڑے عالم فاضل شخص تھے۔ ان کی ہم نشینی نے بیگم صاحبہ کے حق میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ انھوں نے ایک "مدرسہ بلقیسی" قائم کیا، جہاں اُردو کی تعلیم کا خاص انتظام تھا۔

(۲) تعلیمی کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک مطبع "مطبع شاہ جہانی" کے نام سے قائم کیا۔ اس مطبع سے ایک اخبار "عمدۃ الاخبار" شائع ہوتا تھا۔

(۳) بہت سی[2] نایاب کتابوں کو اپنے صرفہ سے طبع کرایا۔

(۴) سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ کی سرپرستی کی۔ خود مصنفہ تھیں ان کی تصانیف "تہذیب النسوان" اور "خزینۃ اللغات" مشہور ہیں۔

تاریخ میں "تاج الاقبال" مشہور کتاب ہے۔ جس میں بھوپال کے فرمانرواؤں کے حالات درج ہیں۔

"تہذیب النسوان" (تربیت الانسان) یہ کتاب امور خانہ داری کی تعلیم کے لیے نہایت مفید و کار آمد ہے۔ اس میں عورتوں کے امراض اور ان کے ادویہ لکھے گئے ہیں۔ نیز مختلف تقریبات۔ غذا۔ لباس بیماری و

---

[1] ۔ ان کا ذکر شاعری کے ضمن میں آچکا ہے گو یہ غدر کے بعد تخت پر بیٹھیں تاہم ان کی ادبی سرگرمیاں اس سے پہلے شروع ہو چکی تھیں لہذا ہم ان کا یہیں ذکر کریں گے۔

[2] ۔ جس میں قرآن شریف کی تفاسیر اور نواب صدیق حسن خاں کی تصانیف شامل ہیں۔

علاج۔ منّت مُراد۔ توہمات وغیرہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ لکھی پڑھی خواتین کے کام آسکے۔

"خزینتہ اللغات" اس کتاب میں چھ زبانوں اُردو فارسی۔ عربی۔ سنسکرت۔ انگریزی و ترکی کے ساڑھے پانچ ہزار لغات متصرفہ درج ہیں۔ اوّل اُردو الفاظ حروفِ تہجّی کے قاعدے سے ایک خانہ میں پھر ان کے سامنے سنسکرت۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی و ترکی الفاظ الگ الگ خانوں میں درج ہیں۔

خدیجۃ النساء

انھوں نے اپنی یادگار شاعرات کا ایک تذکرہ "افکارِ خواتین" چھوڑا ہے۔ مولوی جمیل احمد "شاعرات اردو" میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یہ تذکرہ محترمہ خدیجۃ النساء کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا نام "افکارِ خواتین" سن تصنیف ۱۸۴۷ء ہے۔ اس میں ۳۷۔ شاعرات کا اجمالی تذکرہ ہے۔ حالات دو چار جملوں سے زیادہ نہیں زیادہ تر شاعرہ خواتین کے ایک یا دو شعر پیش کئے گئے ہیں۔"

ان کے خاندان میں بہت سے عالم، فاضل گزرے اس وجہ سے یہ تعلیم یافتہ اور باذوق خاتون نکلیں۔ والد، شوہر صاحبِ تصنیف تھے۔ ان کے شوہر مفتی نوراللہ المتخلص بہ آباد آگرہ میں تھانہ دار تھے۔ ۱۸۵۷ء میں نائبِ کوتوال بھی رہے۔

دورِ جدید

(غدر کے بعد کا زرّین دور)

بہادر شاہ ہی کے زمانے میں غدر ہوگیا۔ اس طرح شعروشاعری کا وہ غلغلہ جو اٹھارویں صدی کے وسط میں زور وشور سے بلند ہوا تھا۔ طبل جنگ کی آواز میں دب گیا۔ لیکن خونِ صد ہزار انجم سے "سحر" پیدا ہوئی۔ جس طرح تاریکی "روشنی" کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ قیامت خیز واقعہ ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جس نے پرانے نظام کے ستون ہلا دئیے۔ ہندوستان کی سیاسی حیثیت ہی نہیں بدلی۔ بلکہ ذہنیت۔ خیالات۔ رجحانات سب میں انقلابِ عظیم ہوگیا۔ "غدر" کی ضرب نے سوئے ہوئے ہندوستانیوں کو جھنجوڑ کر بیدار کردیا۔ انھوں نے دیکھا کہ غمِ محبت سے زیادہ تلخ "غمِ دوراں" ہے۔ دُنیا میں "عشق" کے سوا اور بھی غم ہیں۔ ان آلام میں "کسبِ معیشت" کا مسئلہ سب سے اہم تھا۔ ملازمت کے لیے "تعلیم" کی شرط لگادی گئی۔ لیکن نئے آقا نیا علم اپنے ساتھ لائے تھے۔ ہندوستان کی مروجہ زبانیں۔ ہندی۔ اُردو۔ فارسی۔ سنسکرت ان کے خیال میں اشاعت علم کے لیے ناکافی تھیں۔ ۱۸۳۵ء میں میکالے "منٹ"[1] (Minute

---

[1] مارگرٹ کزن کی کتاب Indian woman-hood to-day (انگریزی) ص۔

کے ذریعے انگریزی زبان ذریعہ تعلیم قرار پایا۔ اسی وقت سے ہندوستانیوں میں نئی زبان سے مسابقت کی رُوح پیدا ہوئی۔ انھوں نے جب اپنی زبان کا جائزہ لیا تو اسے واقعی تہی دامن پایا۔ جس کا مبلغ شاعروں کے کچھ دیوان اور کچھ فارسی اور سنسکرِت کتابوں کے ترجمے تھے۔ دوسرے اُمور کے ساتھ ساتھ انھوں نے سب سے پہلے اپنی زبان یعنی "اُردو" کی طرف توجہ کی۔ حقیقتاً یہ زمانہ اُردو ادب کی تاریخ کا زرّین دَور ہے۔ تصنیف و تالیف کی گرم بازاری شروع ہوئی۔ جس نے اُردو کو یک نئی راہ پہ ڈال دیا۔ اب تک ساری توجہ نظم پر تھی۔ اب نثر کی طرح بھی طبیعتیں مائل ہوئیں۔ اس عہد میں بہت سی اہلِ قلم خواتین پیدا ہوئیں۔ خواتین میں بیداری کی لہر سی دَوڑ گئی۔ اس بیداری کے بہت سے اسباب تھے۔

اَسبابِ بیداری

۱۔ عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ کی گئی۔ ۱۸۵۴ء عیسوی میں Government Dispatch[1] سرکاری مراسلے کے ذریعے اس امر کا اعلان کیا گیا کہ ابتدائی تعلیم لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ، موخرالذکر کے اسکولوں میں حاصل کر سکتی ہیں۔ جب سرکاری طور سے اس کا اعلان ہوا تو صدیوں کا جمود ٹوٹا اور لوگوں نے اپنی لڑکیاں اسکولوں میں داخل

---

[1] India Statutory Commission Report Vol. I P. 379

کرانا شروع کیں۔

۲۔ عیسائی مشنریوں نے عورتوں کو تعلیم یافتہ بنانے میں بڑی کوشش کی، اس میں شک نہیں ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ مگر ان کی کوششوں سے ہندوستانی گھروں میں تعلیم کی روشنی ضرور پھیلی۔ مس چیپ مین Miss Cheap Man[1] اپنی کتاب "تذکرۂ نسوانِ ہند" میں لکھتی ہیں:۔

"اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی عورت کی حالت نہایت سقیم تھی۔ ہندوستانی عورتوں کی بے بسی مظلومی کے متعلق وقتاً فوقتاً انگلستان کے اخباروں میں مضامین نکل رہے تھے۔"

یہ تجویز پادریوں نے شروع کی تھی۔ ایچ۔ وارڈ نامی ایک Baptist مشنری تھے۔ ان کو یہ فخر حاصل ہوا کہ انھوں نے یوروپین لیڈیوں کو ہندوستانی عورتوں کی تعلیم کی نسبت ولایت لکھا۔ ۱۸۲۱ء میں ایک درخواست مسٹر وارڈ نے لورپول کی شریف عورتوں سے کی۔ پھر اس کام کے لیے Miss Cook ولایت گئیں۔ اس کے بعد مس ولسن گئیں۔ انھوں نے وہاں سے اپنے بہت سے رفیق بلائے۔ اور ہندوستانی عورتوں کو ان کی زبوں درستی ہزار نعمت ہے۔

Miss Cheapman کی Indian woman کا اُردو ترجمہ وغیرہ۔

پیسہ اخبار۔ لاہور ۳؍۱۹۰۲ء۔

یہ نقشِ وفا۔

احساس دلایا۔

۳۔ آریہ سماج اور برہمو سماج فرقوں نے بھی عورتوں میں بہت کچھ بیداری پھیلائی۔ اور معلمی اور تیمارداری کی تعلیم عام کر کے ان پر معاشی آزادی کے دروازے کھولے۔ اس طریقے سے جو خواتین تعلیم یافتہ ہوئیں ان کو اپنے فرقے کی پست حالی کا احساس ہوا۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اپنے طبقہ کی سدھار کا کام بھی شروع کیا۔ لیکن ہمیں یہاں صرف اُردو ادب سے دلچسپی رکھنے والی خواتین کا ذکر مقصود ہے۔

۴۔ خواتین کے لیے رسالے اور اخبار جاری ہوئے جن سے خواتین میں مضمون نگاری کا ذوق پیدا۔ زنانہ رسالوں میں سب سے پہلے مولوی سید احمد مؤلف "فرہنگ آصفیہ" نے "النسآء" جاری کیا۔

۵۔ مسلمان مردوں کے دل میں بھی اپنی خواتین کی جہالت اور بے علمی کا احساس پیدا ہوا۔ چنانچہ اس ضمن میں مولوی نذیر احمد۔ مولانا راشد الخیری مولوی ممتاز علی اور مولوی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار۔ محب حسین (مسلم نسوان" اور مولینا شبلی نعمانی وغیرہ نے حتی الوسع عورتوں میں تعلیم پھیلانے اور ان کے حقوق دلانے کی سعی کی۔ نذیر احمد نے عورتوں کے لیے خاص اسکولوں س۔ راشد الخیری نے بھی ان کے لیے کتابیں لکھیں اور ان کی ہوا تو صدیو[ں] کے آنسو بہائے۔ لیکن ان کے آنسو ایک ادیب کے آنسو نہیں۔

Vol. I. P.379

ہیں

سے جاری ہوا۔

ایک مصلح کی پکار اور ایک درد مند چیخ ہیں۔ ممتاز علی۔ محبوب عالم اور محب حسین بھی حقوقِ نسوان کے علمبردار تھے۔ شبلی نعمانی کا مشن اس میں شک نہیں بہت وسیع تھا۔ اور انھوں نے اوّل الذکر اصحاب کی طرح اس مخصوص میدان کو اپنی کوششوں کی آماجگاہ نہیں بنایا تھا۔ پھر بھی انھوں نے خواتین میں ادبی رُوح پھونکنے کی پوری سعی کی۔ بمبئی کے فیضی خاندان اور بھوپال کی بیگمات کو ادب کی سرپرستی پر اُکسانے میں ان کا زبردست ہاتھ ہے۔

ان حضرات کی کوششوں سے ہندوستان میں تعلیم یافتہ خواتین کا ایک گروہ ایسا پیدا ہُوا۔ جس نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اپنے طبقے کی اصلاح کا کام بھی شروع کیا۔ لیکن ہم یہاں ان ہی خواتین کا ذکر کریں گے جنھوں نے اُردو ادب میں اضافہ کیا:۔

سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۹۱۴ء

اس دَور کی قابلِ ذکر نثر نگار خواتین یہ ہیں:۔

۱۔ ملکہ سلطان جہاں بیگم فرمانروائے بھوپال۔ مصنفہ (۲۳) کتب۔
۲۔ محمدی بیگم اڈیٹر "تہذیب النسوان"
۳۔ عطیہ بیگم فیضی . . . . . " زمانہ تحصیل
۴۔ زہرہ بیگم فیضی . . . مصنفہ سیر یورپ۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔
۵۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ۔ مصنفہ (۱) نجمہ (۲) جانباز وغیرہ۔
۶۔ نفیس دُلہن (بیگم حبیب الرحمٰن خاں شیروانی) مصنفہ۔ نقشِ وفا۔

۷۔ طیبہ بیگم خدیو جنگ . . . . . کئی کتابوں کی مصنفہ۔

۸۔ صغرا ہمایون مرزا۔ مصنفہ (۱) مشیر نسواں یا زہرہ (۲) سرگزشت ہاجرہ۔
(۳) تحریر النساء۔ (۴) موہنی۔

۹۔ موتی بیگم اڈیٹر اجمیر گزٹ۔

۱۰۔ فاطمہ زہرا بیگم (بیگم شجاعت علی خاں) مصنفۂ رشکِ قمر۔

۱۱۔ فاطمہ بیگم اڈیٹر "شریف بی بی" . . . " غیرت کی پُتلی۔

۱۲۔ خجستہ اختر بانو سہروردی۔ . . . " آئینۂ عبرت۔

۱۳۔ امیر النساء بیگم (اے۔ ایچ فیضی) "

۱۴۔ عباسی بیگم . . . . " زہرا بیگم۔

۱۵۔ رضیہ مسعود الحسن

۱۶۔ ہز ہائی نس ولی بیگم صاحبہ سچین۔

۱۷۔ بیگم حسان۔

۱۸۔ ظفر جہاں بیگم۔

۱۹۔ حامدہ بیگم الخیری۔

۲۰۔ خدیجۃ الکبریٰ۔

۲۱۔ اُمّتہ الکریم۔

۲۲۔ عظمت النساء بیگم۔

۲۳۔ امت الوحی۔

۲۴۔ مہدی بیگم۔

۲۵۔ خجستہ سلطانہ بیگم۔

۲۶۔ اختر حمید سلطان خانم۔

۲۷۔ افضل النساء بیگم۔

۲۸۔ برج کماری نرندر ناتھ۔

۲۹۔ وحیدہ بیگم۔

۳۰۔ بیگم شاہ نواز۔

اس دَور کی مشہور شاعرات

۱۔ بدرالنساء بیگم خفیؔ۔

۲۔ منعمؔ۔

۳۔ ایجادؔ۔

۴۔ شمس النساء شرمؔ۔

۵۔ فاطمہؔ۔

۶۔ عصمتؔ۔

۷۔ سکندر جہاں بیگم ضیاؔ۔

۸۔ قمر النساء حجابؔ۔

۹۔ شریر ۔ ۱۰۔ صحیفہ بانو۔

سلطان جہاں بیگم

ج ہیں۔

عورتوں کی بیداری کی تاریخ میں بھوپال کی ملکہ سلطان ج ۔

زرّین حروف میں لکھا جائے گا۔ جس طرح سرسید کی ذات مسلمان مردوں کی عام فلاح و ترقی کا پیش خیمہ تھی، اسی طرح عورتوں میں سلطان جہاں بیگم کی ہستی بھی ایک گراں قدر نعمت تھی۔ سلطان جہاں بیگم سرسیّد ہی کی طرح تصانیف کثیرہ کی مالک ہیں۔ یہاں ہمیں ان کی دیگر حیثیتوں سے بحث نہیں۔ بہ حیثیت ادیبہ ان کی شخصیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ نواب سلطان جہاں بیگم ۱۸۵۶ء میں بھوپال میں پیدا ہوئیں۔ اُردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم منتخب اساتذہ سے حاصل کی۔ محمد امین مارہروی مصنف "بیگمات بھوپال" لکھتے ہیں:۔

"ہز ہائی نس کا نام یوں تو ہندوستان کی تاریخ میں بہترین فرمانرواؤں کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن انھوں نے اُردو علم و ادب کی سرپرستی فرما کر جو جگہ اپنے لیے محفوظ کر لی اسے تاریخ کا بے رحم ہاتھ نہیں مٹا سکتا۔"

یہ اُردو کی بڑی قدرداں تھیں۔ حامیٔ اُردو کی حیثیت سے عورتوں میں سب سے پہلے اور مرد حکمرانوں میں اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے بعد شاید سلطان جہاں بیگم ہی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اُردو کی مالی اور قلمی سرپرستی فرمائی۔ ایک طرف اگر اپنی دماغی صلاحیتوں سے اُردو کو نوازا تو دوسری ۲۲۔ ع ... مالی امداد سے اس کو پروان چڑھایا۔ یہاں ہم ان کی خدمات کا سرسری ... ئیں گے۔

۲۳۔ امد ...

۲۴۔ مہدی بیگم ... ر خانہ حمیدیہ قائم کیا جس میں یوں تو سب زبانوں کی کتابیں

تھی لیکن اُردو کی بہت سی کتابیں تھیں۔

۲۔ تین مدرسے وکٹوریہ۔ سلطانیہ۔ بلقیسیہ جاری فرمائے جن میں اُردو کی تعلیم کا خاص طور پر انتظام تھا۔

۳۔ انجمن ترقی اُردو کو چار ہزار کی امداد دی اور مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری کی درخواست پر مجوزہ کتاب "ہمارا ملک" میں ایک باب تعلیم نسوان کے متعلق تحریر فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

۴۔ مصنفوں اور مؤلفوں کی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ دُور و دراز کے اہل علم و فضل خواتین و حضرات کو پایہ تخت میں جمع کر رکھا تھا۔ انھیں جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا شبلی نعمانی ایک باکمال اور مُستند عالم ہیں اور سیرۃ النبیؐ مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مالی مشکلات سنگِ راہ بنے ہوئے ہیں تو مطلع کیا کہ وہ فوراً کام شروع کر دیں، روپے کا بندوبست وہ کریں گی۔ چنانچہ پہلے دو ہزار پھر مشین وغیرہ کے لیے تین ہزار اس طرح پانچ ہزار سے ان کی امداد کی۔

۵۔ انھوں نے تقریباً ۲۳ کتابیں تصنیف کی جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) سبیل الجناں ـــــ تقریروں کا مجموعہ ہے جس میں ارکان اسلام نماز۔ حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی، توضیح فرمائی ہے۔ حمیدیہ اسکول کے کورس میں داخل ہے۔

(۲) سیرت ـــــ لکچروں کا مجموعہ جس میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) عفت المسلمات ـــــ پردہ کی تاریخ اور پردہ کے متعلق بحثیں درج ہیں۔

(۴) نفرقان۔ (۵) افضال رحمانی۔

(۶) فضائل الشہور:۔ قمری مہینوں میں جو عبادتیں اور صدقے دیئے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق صحیح حدیثیں اور روائتیں۔

(۷) ہدیۃ الزوجین:۔ یہ کتاب خانہ داری کا پہلا حصہ ہے۔ اس میں شوہر بی بی کے شرعی اور قانونی حقوق تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

(۸) باغ عجیب:۔ بچوں کے لیے مفید سبق آموز کہانیاں۔

(۹) اخلاقی سلسلہ:۔ اس میں دلکش طریقے سے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۱۰) مہذب زندگی:۔ یہ اس سلسلہ کا پانچواں نمبر ہے۔ قومی اور سرکاری مدارس کے کورس میں داخل ہے۔

(۱۱) تربیتِ اطفال:۔

(۱۲) مقصدِ ازدواج:۔ اس میں ازدواج کے متعلق ضروری اور مختصر ہدایتیں ہیں۔

(۱۳) اسلام میں عورت کا مرتبہ:۔ یہ عورت کے حقوق پر زبردست کتاب ہے۔

(۱۴) خانہ داری:۔ اس میں وہ سب باتیں ہیں جن کا تعلق خانہ داری سے ہے۔

(۱۵) تندرستی۔

(۱۶) ہدایات تیمارداری۔

(۱۷) درس حیات۔

(۱۸) بچوں کی پرورش۔

(۱۹) ہندوستانی گھروں میں تیمارداری۔

۲۴۔

(۲۰) معیشت :۔ اس میں تدبیرِ منزل، مکان کی وضع قطع، چھت مکان وغیرہ پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

(۲۱) معاشرت :۔ اس میں بچوں کی تعلیم و تربیت، اسکولوں کی نگرانی، گھر کی تعلیم، طریق تعلیم میں صحتِ جسمانی کا خیال، ملازموں کا انتظام، دعوتیں۔ پارٹیاں۔ ایٹ ہوم وغیرہ پر مختلف

طریقۂ تصنیف تصنیف و تالیف میں امداد کے لیے دفتر تاریخ قائم تھا۔ موضوع خود بیگم صاحبہ متعین کرتیں۔ کتاب کا ابتدائی مسودہ صاف ہو کر ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ اسے خود دیکھتیں۔ مولانا عبد السلام ندوی مصنف "شعر الہند" نے بیگم صاحبہ کی تصانیف پر اچھا تبصرہ فرمایا[1] ہے۔ مولوی محمد مہدی صاحب نے بھی ان کی تصانیف پر نوٹ لکھا۔ وہ لکھتے ہیں[2] :۔

"حضور ممدوحہ کی کل کتابیں تصنیف و تالیف کے مشکل فن میں کمال تحریر کا بہترین نمونہ ہیں۔ خوبی و صفائی سے خیالات ادا کرنے کی قابلیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی ہے۔ علیا حضرت اس خصوصیت میں بھی ملک کے کسی مشہور مصنّف سے کم نہیں۔"

واقعہ ہے کہ وہ جس شُستہ اور دل نشین پیرایہ میں مضمون و مطلب کو

۱۔
۲۔

ادا فرمائی ہیں اس کی نظیر ملک کی دیگر مصنف خواتین میں مشکل سے ملے گی۔ ان کی تصانیف حشو و زواید سے پاک صرف مفید اور کام کی باتوں پر حاوی ہیں۔ حفظِ صحت اور مذہب ان کے محبوب موضوع ہیں۔

محمدی بیگم صاحبہ محمد شفیع صاحب کی دختر اور مولوی ممتاز علی مرحوم کی زوجہ تھیں ۱۹۰۸ء میں انھوں نے زنانہ اخبار 'تہذیب النسوان' جاری کیا۔ لڑکیوں بچوں اور عورتوں کے لیے بہت سی کتابیں لکھیں۔ شاعری سے بھی تھوڑی سی دلچسپی تھی۔ "تاج گیت" میں ان کی چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں۔ تقریباً پندرہ کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ جن میں مندرجۂ ذیل سات کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

(۱) سگھڑ بیٹی:۔ لڑکیوں کے لیے دلچسپ قصّے کے پیرائے سگھڑاپے کی تعلیم۔

(۲) رفیق عروس:۔ بیاہی لڑکیوں کو دلچسپ نصیحتیں۔

(۳) آدابِ ملاقات:۔ یہ علمِ تہذیب کی ایک کتاب ہے۔ جس میں ملاقات کے اُصول بتائے ہیں۔

(۴) شریف بیٹی:۔ یہ ایک شریف لڑکی کا قصّہ ہے جس نے اپنے باپ کی عزّت برقرار رکھی۔

(۵) صفیہ بیگم:۔ بچپن کی منگنی کے بُرے نتائج کو عبرتناک پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

(۶) حیاتِ اشرف:۔ اشرف النساء بیگم معلمہ کی سوانح عمری دلچسپ

پیرائے میں لکھی ہے۔

(۷) انمول موتی:۔

باب پنجم

ادبِ اطفال

اردو ادب میں اٹھارھویں صدی کے ختم تک بچوں کے لیے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ مولانا نذیر احمد نے "چند بند" "مراۃ العروس" "بنات النعش" وغیرہ لکھ کر بچوں کے لیے کتابیں لکھنے کی ابتدا کی۔ گو قصے کہانیوں کی کتابیں کافی تعداد میں تھیں۔ لیکن اس میں عشق و عاشقی کی بہتات نے معصوم بچوں کے لیے اسے مضر بنا دیا تھا۔ مولانا نذیر احمد کے بعد خواتین نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی۔ اور بچوں کے کام کی مفید چھوٹی چھوٹی کتابیں قصے کہانیوں کے پیرائے میں لکھنی شروع کیں، محترمہ محمدی بیگم صاحبہ کو اس باب میں اوّلیت حاصل ہے۔ اس کے بعد ان کی پیروی میں ان کی دیگر ہم عصر خواتین نے بھی کتابیں لکھیں۔ اور اب تو اُردو ادب میں ادبیاتِ اطفال کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے جو کتابیں لکھیں ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تاج پھول ۔ ۲۔ ریاض۔ ۳۔ امتیاز پچیسی۔

۴۔ دل پسند کہانیاں۔ ۵۔ پان کی گلوری۔

محمدی بیگم صاحبہ کی تحریر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان سادہ اور سلیس تھی۔ ان کا بڑا کارنامہ تہذیب نسواں کی اشاعت ہے۔ جس نے خواتین میں مضمون نگاری کا ذوق پیدا کیا۔ ان ہی کی کوششوں سے دارالاشاعت تہذیب قائم ہوئی۔ جس نے خواتین کی ادبی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے میں پیش از پیش حصہ لیا، اور خواتین کی لکھی ہوئی بیسیوں مفید کتابیں شائع کیں۔

ناول نگاری

طیبہ بیگم خدیو جنگ | یہ دکن کے مشہور علم دوست سید حسین عماد الملک بلگرامی کی دختر اور خدیو جنگ ناظم طبابت آصفیہ کی شریکِ زندگی تھیں۔ انھوں نے ۱۹۱۲ء میں مدراس یونیورسٹی کے بی۔ اے۔ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ طیبہ بیگم یوں تو اپنی سوشل سرگرمیوں کی وجہ سے بہت ممتاز ہیں لیکن ان کی ادبی حیثیت ان سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ انھوں نے تین ناول لکھے اور ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نامکمل چھوڑا۔ اس کے علاوہ ان کی تقاریر اور خطبات وغیرہ[1] بھی ہیں۔ انھوں نے مندرجۂ ذیل تین ناول لکھے۔

---

[1] ۔ انھیں ان کی فاضل دختر سکینہ بیگم صاحبہ نے رسائل طیبہ کے نام سے مرتب کیا ہے جو طبع ہو گئی ہیں۔

[2] ۔ ان کی دوسری صاحبزادی معصومہ بیگم حسین علی خاں آندھرا پردیش کی وزیر سوشیل سروسیس ہیں۔ موصوفہ کو بھی ادب کا خاص ذوق ہے۔

۱۔ انوری بیگم: یہ ایک ناول ہے جس میں حیدر آباد کے متوسط گھرانے کی معاشرت پیش کی گئی ہے۔ یہ ناول شاید عصمت دہلی سے ۱۹۲۰ء میں مصنفہ کے انتقال کے بعد شائع ہوا[1]

۲۔ یہ عشمت النساء مصنفہ کا دوسرا ناول ہے۔ جو ان کی زندگی ہی میں مطبع حیدری چھتہ بازار سے طبع ہوا۔

۳۔ احمدی بیگم[2]:۔ یہ غیر مطبوعہ ناول ہے۔ جسے مصنفہ نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے لکھا۔ یہ مذہبی ناول ہے۔ مذہب جیسے خشک موضوع میں دلچسپی برقرار رکھنے میں مصنفہ کامیاب ہیں۔ یہ ناول طبع ہوتا تو خاص پایہ کا ہوتا۔

۴۔ "فرانکن سٹائن"۔ مسز شلی کے انگریزی ناول کا ادھورا ترجمہ ہے۔

طیبہ بیگم کا مطالعہ وسیع تھا۔ اس وجہ سے تحریر میں علمی رنگ ہے۔ ان کے خطبات میں یہ رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی اور اُردو چاروں زبانوں پر مصنفہ حاوی معلوم ہوتی ہیں۔ سرسیّد نے نثر نگاری کا جو سادہ و دلکش اسلوب اختیار کیا تھا۔ طیبہ بیگم نے اس کی کامیاب پیروی کی۔ ان کی تحریریں سرسیّد ہی کی جیسی مدلّل اور بیساختہ ہیں۔ بقول فاضل مرتب "رسائلِ طیبہ" "ان کے خلوص نے ان کی تحریروں کو موثر اور دل نشیں بنا دیا تھا"۔ طیبہ بیگم کا طرز تحریر اپنی ہم عصروں میں سب سے زیادہ دلکش ہے۔

---

[1] اور [2] پر مفصل تبصرہ باب ناول نگاری میں ملاحظہ ہو۔

نفیس دُلہن (بیگم حبیب الرحمٰن خاں شیروانی المخاطب بہ صدر یار جنگ) یہ مسلم لیڈیز کانفرنس کی سکریٹری اور بیگم صاحبہ بھوپال کے شرکائے کار میں تھیں۔ ان کے خطبات جو انھوں نے وقتاً فوقتاً کانفرنسوں میں پڑھے قابلِ ذکر ہیں۔ "نقشِ وفا" کے نام سے ایک کتاب بھی شائع کی۔ یہ کتاب چند مفید مضمونوں کا مجموعہ ہے جس سے چند ان کے اور چند ان کے شوہر حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے لکھے ہوئے ہیں۔

فاطمہ زہرا بیگم بلگرامی (مسز میر شجاعت علی خاں) یہ میجر سید حسن بلگرامی کی بہن تھیں۔ حیدر آباد کی پہلی مُسلم خاتون ہیں جو لندن گئیں اور وہاں جاکر پردہ ترک کیا۔ ان کو فنونِ لطیفہ سے بے حد لگاؤ تھا۔ ادیب اور مصوّر[2] تھیں۔ ایک ناول "رشکِ قمر"[3] لکھا۔ جو طبع ہوگیا۔ رشکِ قمر کا قصہ دلچسپ اور عام فہم ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک غریب اور امیر لڑکی کی مشابہت نے کیا گل کھلائے۔ غریب لڑکی کو امیر گھر میں اور امیر لڑکی کو غریب گھر میں کیا کیا مصائب پیش آئے باتوں باتوں میں اصلاح کی ہے۔

عطیہ بیگم فیضی عطیہ بیگم میر حسن علی فیضی کی صاحبزادی اور مسٹر رحمٰن فیضی کی اہلیہ ہیں، بہ ہندوستانی موسیقی کی ماہر ہیں۔ ان کو

---

[1] مندرجۂ بالا حالات ان کی بہو (بیگم زین یار جنگ پرنسپل کلیہ اناث) سے معلوم ہوئے۔
[2] ان کی مصوری کی یادگار سر وقار الامرا کی تصویر ہے جو انھوں نے لاکٹ میں رکھنے کے لیے کھینچی تھی۔
[3] قلمی نسخہ بیگم زین یار جنگ کی ذاتی لائبریری میں ہے۔

ادب سے خاص لگاؤ ہے۔ یہ سب سے پہلی مسلمان خاتون ہیں جو ۱۹۰۲ء میں سرکاری وظیفہ حاصل کر کے معلمی کی تعلیم حاصل کرنے لندن گئیں۔ ان کی ایک تصنیف "زمانہ تحصیل" ہے۔ یہ دراصل لندن کا سفرنامہ ہے۔ جسے انھوں نے ڈائری کی صورت میں قلمبند کیا۔ یہ سفرنامہ دارالاشاعت تہذیب کی طرف سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ عطیہ بیگم کا طرزِ تحریر سادہ اور سلیس ہے۔ وہ لکھنے کے دوران میں اپنے داخلی احساسات کا اظہار بڑی خوبی سے کرتی ہیں جس سے تحریر میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

زہرا بیگم فیضی عطیہ فیضی کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ یہ بھی یورپ گئی تھیں اُردو ادب کی پرستاروں میں ہیں۔ ابتدائی زنانہ رسالوں میں ان کے مختصر مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔ ان کی یادگار دو کتابیں ہیں:-

۱۔ سیرِ یورپ ۔ ۲۔ صحت بڑی نعمت ہے۔

"سیرِ یورپ" میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یورپ کے مشہور مقامات تفریح گاہوں اور پارکوں وغیرہ کی سیر کے حالات اور ان کے متعلق کہیں کہیں تفصیلات درج ہیں۔

عباسی بیگم یہ بھی اسی دَور کی لکھنے والی ہیں۔ مختصر مضامین اور افسانے لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ یہ محمد اسمٰعیل صاحب کی زوجہ (حجاب امتیاز علی کی والدہ) تھیں۔ طرزِ تحریر شگفتہ تھا جس پر ادبیت چھائی رہتی۔ ان کی یادگار مندرجۂ ذیل کتب ہیں:-

۱۔ گلِ صحرا۔ مختصر فلسفیانہ مضامین۔

۲۔ زہرا بیگم۔ ایک اصلاحی معاشرتی ناول،

عباسی بیگم شاعرہ بھی تھیں۔ قدرتی مناظر پر انھوں نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ زہرا بیگم کے طرزِ تحریر میں ہم عصر خواتین کے ناولوں کی بہ نسبت زیادہ ادبیت ہے۔ زبان شیریں اور لطیف ہے۔ زہرا بیگم میں ہر باب کا آغاز شعر سے کیا ہے۔ جو بعد میں خواتین میں بہت مقبول ہُوا۔

خجستہ اختر سہروردی خجستہ اختر سہروردی بنگال کے سہروردی خاندان کی چشم وچراغ تھیں اس ابتدائی دَور کی لکھنے والیوں میں ان کے مختصر مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔ خجستہ اختر کا ترجمہ کیا ہُوا ایک ناول "آئینۂ عبرت"[1] ہے جو ۱۹۱۱ء سے کلکتہ یونیورسٹی کے میٹرک کے نصاب میں شامل ہے۔ ایک سبق آموز قصہ ہے۔ زبان وبیان کی خوبی کا اندازہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل تھا۔

موتی بیگم راجپوتانہ گزٹ کے اڈیٹر مولوی مُراد علی ہوشیار کی اہلیہ تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد وہ خود اخبار چلاتی رہیں مصنف "مشاہیر نسوان"[2] کے بیان کے بموجب "اجمیر کی عورتوں میں سب میں زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ اس اخبار میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔"

خجستہ سلطانہ بیگم نصیر الدین حیدر کی صاحبزادی تھیں۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی مصنف "خواتین دکن کی اُردو خدمات"

---

[1] ۔ اس کا نمونہ "تاریخ نثر اُردو" مصنفہ احسن مارہروی میں درج ہے۔

[2] ۔ "مشاہیر نسوان" مطبوعہ ۱۹۰۲ء۔

کے بیان کے بموجب ایک زمانے تک حیدر آباد دکن کے مشہور اسکول محبوبیہ گرلز اسکول میں السنۂ شرقیہ کی معلمہ رہیں۔ صاحبِ تصنیف تھیں۔ ان کی مندرجۂ ذیل تصانیف ہیں۔

۱۔ تاریخی کہانیاں:۔ تاریخ ہند کی کہانیاں جو دارالترجمہ کی طرف سے طبع ہوئیں۔

۲۔ تاریخِ تیموریہ:۔ اس کے حقوق بھی حکومتِ آصفیہ نے لے لیے۔

اُمّ الاعظم مولوی سیّد محمّد حسین بلگرامی مرحوم کی اہلیہ ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت شمالی ہند میں ہوئی۔ لیکن عرصۂ دراز سے دکن میں مقیم ہیں۔ انھوں نے مورگی شوستر (Morgen Shoster) کی کتاب "ایران (Persia)" کا ترجمہ "فغان ایران" کے نام سے کیا۔ لیکن یہ کتاب اب کم یاب ہے۔

مہدی بیگم ہندوستان کے مشہور ادیب ایم مہدی حسن کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ جمال ہم نشیں کا اثر سمجھئے یا فطری رجحان مختصر مضامین اچھے لکھتی ہیں۔ انھوں نے اپنے شوہر کے مضامین "افادات مہدی"۔ کے نام سے طبع کرائے۔ جس کا دیباچہ خود لکھا ہے۔ یہ دیباچہ ان کے شگفتہ اسلوب کی گواہی دیتا ہے۔

فاطمہ بیگم فاطمہ بیگم بنت مولوی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار یہ انیسویں صدی کے ابتدائی دور کی لکھنے والیوں میں ہیں۔ طالبِ علمی کے زمانے میں "شریف بی بی" ایک زنانہ رسالہ مرتب کرتی تھیں۔ عورتوں کے

حقوق کی حمایت میں کئی مضامین لکھے۔ ان کی ایک تصنیف "غیرت کی پُتلی" ہے۔ بمبئی میں انسپکٹرس آف اسکول کے عہدے پر تھیں وہاں سے استعفیٰ دے کر اب جناح کالج کی پرنسپل کے فرایض انجام دے رہی ہیں۔ اخبار "خاتون" ان کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔

اختر حمید سلطان خانم (بیگم سربلند جنگ) نواب سرور الملک مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں یورپ کی سیاحت کی۔ ان کا سفرنامہ "دُنیا عورت کی نظر میں" شائع ہوا ہے جو قلعہ معلیٰ کی ڈھلی ہوئی پاکیزہ نثر کا نمونہ ہے۔

ظفر جہاں بیگم ابتدائی دَور کی لکھنے والیوں میں ہیں[1]۔ ۱۹۱۳ء سے ان کی ادبی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ مختصر مضامین اچھے لکھتی ہیں۔ ایک مختصر ناول "اختری بیگم" لکھا جس میں سوتیلی ماں کے مظالم کی داستان بیان کی گئی۔

اُمّت الوحی[2] اُمت الوحی ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں۔ زبیر حسن مالک اخبار "الخلیل" کی اہلیہ ہیں۔ اخلاقی افسانہ نویسی کا شوق ہے۔ ان کے دلاویز افسانوں کا مجموعہ "شہیدِ وفا" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اُمّتہ الکریم یہ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئیں۔ کسی اسکول میں تعلیم نہیں پائی۔ فارسی اور عربی کی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ دہلی کے مشہور شاعر

---

[1] تذکرہ جمیل مصنفہ عبد الرزاق صاحب بسمل ؔ

[2] ...

امام بخش صہبائی کی نبیرہ زادی ہیں۔ سولھویں سال یعنی ۱۹۰۹ئہ میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "سفیر نسوان" تھا اس میں جہالت کی مضرت اور تعلیم کی ضرورت موثر پیرایہ میں بیان کی گئی ہے۔

برج کماری (ابنت نریندر ناتھ) یہ بھی انیسویں صدی کے اوائل کی لکھنے والی ہیں۔ مختصر مضامین لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ ترجمہ بہت اچھا کرتی ہیں۔ مسز وائل کے ایک ناول کا ترجمہ "ذرہ عظیم" کے نام سے کیا ہے جو دارالاشاعت پنجاب کی طرف سے شائع ہو چکا۔

افضل النساء بیگم نادر جنگ کی صاحبزادی ہیں۔ مولوی محب حسین سے خانگی طور پر تعلیم حاصل کی۔ مولوی صاحب خطوط کے ذریعے بڑے بڑے مسئلوں کی تشریح کرتے تھے۔ افضل النساء بیگم نے ان خطوط کو اپنے مقدمہ کے ساتھ خطوطِ محب کے نام سے حیدرآباد سے طبع کرایا ہے۔

بیگم حامدہ الخیری مولانا راشد الخیری کی بہن تھیں۔ مختصر مذہبی مضامین بڑی عمدگی سے لکھتی تھیں۔ مذہب کے علاوہ دیگر موضوعات مثلاً فضول رسم و رواج پر بھی ان کے رشحات قلم قابلِ مطالعہ ہیں۔ افسوس کسی کو ان کے ان مضامین کے مجموعہ کو طبع کرنے کا خیال نہ آیا۔

صغرا ہمایون مرزا ڈاکٹر صفدر علی مرزا کی دختر ہمایون مرزا بارایٹ لا مرحوم کی اہلیہ ہیں۔ گو ان کی اردو نوازی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ تاہم ہم انھیں انیسویں صدی کے اوائل کی لکھنے والیوں میں شامل کریں گے۔ ان کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ تصانیف کثیرہ کی مالک ہیں۔

جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ مشیر نسوان یا زہرہ:۔ ایک اخلاقی ناول ہے۔

۲۔ سرگزشتِ ہاجرہ:۔ سبق آموز ناول جس میں چار عورتوں نے اپنی اپنی سرگزشت بیان کی ہے۔

۳۔ مقالاتِ صغرا:۔ ان کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

۴۔ سفینۂ نجات:۔ صغرا ہمایوں مرزا کے نوحوں اور مرثیوں کا مجموعہ۔

۵۔ موہنی:۔ ایک ناول جس میں ایرانی رسوم تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں

۶۔ تحریر النساء:۔ عورتوں کو خط و کتابت سکھانے کی اچھی کتاب ہے۔

۷۔ آوازِ غیب ۔ ۸۔ مجموعۂ نصائح۔

بقیہ ان کے سفرنامے ہیں۔ سفرنامے ان کی تصنیفوں سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ اس میں مصنفہ جزئیات پر گہری نظر ڈالتی ہیں۔

۹۔ سفرنامۂ عراق ۔ ۱۰۔ سفرنامۂ پونا والیٹر۔

۱۱۔ سفرنامۂ یورپ ۔ ۱۲۔ سفرنامۂ بہار و بنگال۔

۱۳۔ سیاحت جنوبی ہند ۔ ۱۴۔ رہبرِ کشمیر۔

ان کی تحریریں جاذبیت اور ندرت رکھتی ہیں۔ زبان و بیان بھی سادہ و سلیس ہے۔ ناولوں میں مشیر نسوان کامیاب ہے۔ ان کے سفرنامے تصانیف سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کو وقائع نگاری میں قدرت حاصل ہے۔

صغرا ہمایوں مرزا شاعرہ بھی ہیں۔ غزل گوئی کی طرف مائل ہیں۔ غزلیں اچھی ہوتی ہیں۔ ان کی سرپرستی میں ایک نسوانی رسالہ "زیب النساء" نکلتا ہے۔

نذر سجاد حیدر

عبدالباقر صاحب کی دختر اور سجاد حیدر یلدرم مشہور افسانہ نگار کی اہلیہ اور خود ایک مشہور ناول نگار خاتون ہیں۔ ان کے ناول اُردو ادب میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ گو ناولوں پر ترقی پسندی کا لیبل نہیں اس کے باوجود ان کے ناول ترقی پسند ہیں۔ نذر سجاد حیدر کے ناول حقیقت اور رومان دونوں کا دلچسپ امتزاج ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ایک ناول کسی نہ کسی پیغام کا علمبردار ہے۔ مثلاً "آہِ مظلوماں" میں وہ تعدد ازدواج کے مسئلے کو اُٹھاتی ہیں۔ اختر النساء میں سوتیلی ماں کے مظالم کی داستان بیان کرتی ہیں۔

نذر سجاد حیدر نے ناولوں کے علاوہ کئی مختصر دلچسپ افسانے لکھے جو ہندوستان کے رسائل میں طبع ہو چکے ہیں۔ ان کے مضامین کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ اگر ان مضامین اور افسانوں کو الگ الگ طبع کر دیا جائے تو اُردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہوگا۔ افسانوں میں "حق بہ حق دار رسید"۔ "مغرور امیر زادی"۔ "اس نے کیا کیا" وغیرہ مشہور ہیں۔ انھوں نے مندرجۂ ذیل ناول لکھے:۔

۱۔ اختر النساء:۔ سوتیلی ماں کے ظلم کی دردناک داستان۔

۲۔ نجمہ:۔ ایک مغربی تہذیب کی گرویدہ دوشیزہ کی حسرت ناک داستانِ حیات۔

۳۔ حرمان نصیب:۔ بھائی کی محبت کی دل دوز داستان۔

۴۔ جاں باز:۔ ایک ناکام محبت مرد کے ایثار کی کہانی۔

۵۔ آہِ مظلوماں :۔ تعدد ازدواج کے مسئلے کا حل۔

۶۔ ثریا :۔ یہ نیا ناول زیرِ طبع ہے۔

نذر سجاد حیدر صاحبہ نے بچوں کے ادب کی طرف بھی توجہ کی۔ اور مندرجۂ ذیل کتابیں لکھیں :۔

۱۔ سلیم کی کہانی۔ ۲۔ پھولوں کا ہار۔

نذر سجاد حیدر کا اسلوب بہت دلپذیر اور شگفتہ ہے۔ پلاٹ کی جاذبیت کے علاوہ زبان کی لطافت ناظر کو محو کر دیتی ہے۔ یہ اپنے ناولوں میں عموماً بورژوا متوسط طبقے کی معاشرت و تمدن کی عکاسی کرتی ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں۔ ان کے کردار مغربی تہذیب سے متاثر ہیں لیکن اس کے اندھا دھند مقلد نہیں۔ نذر سجاد حیدر کا طرزِ بیان نہایت دلچسپ ہے۔

جہاں آرا شاہ نواز

ان کا نام جہاں آرا ہے۔ سر محمد شفیع کی صاحبزادی ہیں۔ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں۔ کسی یونیورسٹی میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ اپنی محنت اور شوق سے علم حاصل کیا۔[1] بچپن ہی سے ذہین اور سمجھ دار تھیں۔ ابتدائی زمانے میں سید ممتاز علی کے اخبار تہذیب النسوان اور محبوب عالم کے زنانہ اخبار "شریف بی بی" میں مضامین لکھا کرتی تھیں۔ ان کے مضامین پبلک میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی شادی کے بعد یہ مضامین "حسن آرا" کے نام سے طبع ہوئے ہیں۔

---

[1] "ماڈرن ہندوستان کی مشہور عورتیں" از خان احمد حسین خاں صاحب۔ مطبوعہ ملک اینڈ کمپنی ایجوکیشنل پبلشرز۔

انھوں نے کارلائل Carlyle کی مشہور کتاب "انقلابِ[1] فرانس" کا ترجمہ اُردو زبان میں کیا۔ اچھی مقررہ ہیں۔ گول میز کانفرنس میں کئی بار شرکت کرچکی ہیں۔ اس کے علاوہ آل انڈیا وومن کانفرنس کی ایک سرگرم رکن تھیں۔ یہ پنجاب یونیورسٹی کی فیلو بھی ہیں۔ حال میں انجمن دفاع Council For Defence کی ممبر نامزد ہوئی ہیں۔

خدیجۃ الکبریٰ[2] (بیگم یحییٰ علی) ان کے حالات ہمیں پروفیسر اختر اورینوی کے مضمون سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دورِ اولین کی لکھنے والی ہیں۔ انھوں نے ایک ناول "اصلاح النساء" لکھا ہے۔ اس کی طباعت کا علم نہیں۔ اختر اورینوی صاحب کے بیان مطابق یہ ایک سماجی اصلاحی ناول ہے۔ "زبان نہایت شُستہ بامحاورہ۔ سادہ گھریلو ہے۔ اندرونی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ مراۃ العروس کے بعد لکھی گئی"۔ دیباچہ میں مصنفہ نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ عورتیں عورتوں کے مسائل اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ اس میں "بسم اللہ" و "اشرف النساء" اہم ترین سیرتیں ہیں۔

مختصر مضمون نگار

مندرجۂ ذیل خواتین مختصر اصلاحی مفید مضامین لکھنے کے باعث مشہور ہیں۔

(۱) رضیہ مسعود الحسن۔ یہ تہذیب اور عصمت کے ابتدائی دور کے نسوانی

---

[1] French Revolution

[2] پروفیسر اختر اورینوی کا مضمون "بہار میں اُردو ناول نگاری" مطبوعہ آجکل جنوری ۱۹۴۶ء ص

رسالوں میں مختصر مفید مضامین خوب لکھتی تھیں۔ افسوس کہ جوانی میں انتقال ہوگیا۔

(۲) بیگم آف سچین (۳) بیگم (۴) وحیدہ یعقوب، یہ سر محمد یعقوب کی بی بی اور محمدی بیگم کی سوتیلی بیٹی تھیں۔ محمدی بیگم کے انتقال کے بعد تہذیب النسوان کی ادارت کے فرایض کچھ دن انجام دیئے۔ چھوٹے چھوٹے اصلاحی مضامین اچھے لکھتی تھیں۔ (۵) آبرو بیگم۔ (۶) بیگم شیخ عبداللہ وغیرہ دورِ اوّلین کی مضامین نگاروں کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں۔ چونکہ ان کے مضامین کتابی شکل میں مرتب نہیں ہوے اور رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔

منظم نگار

(۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء)

عصمت | نام معلوم نہ ہوسکا۔ غالباً یہی نام اور یہی تخلص تھا۔ ۱۲۸۹ھ میں مدرسہ تعلیم مستورات دہلی میں معلمہ تھیں۔ پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ ملاحظہ ہو کلام۔

لعل لب جاں بخش ہے گویا ورق گل — اور رخ پہ پسینہ ہے تراجوں عرق گل
نرمۂ گوش اس کا لچکتا ہے ہوا سے — شبنم سے لچک جاتا ہے جیسے ورق گل

فاطمہ | جمیل احمد مصنف "شاعرات اُردو" کے بیان کے مطابق مدرسہ زنانہ دہلی

میں فارسی کی معلمہ تھیں۔ ۱۸۸۲ء تک زندہ تھیں صرف ایک شعر یادگار رہ گیا۔

آپ کی مرضی ہم نے پالی ہے
پھر یہ کیوں لیت و لعل ڈالی ہے

اس کا ایک اور شعر مشاہیر نسواں میں ملا ہے۔

نازک دماغ وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت[1]
ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا نہ جائے گا

حجاب غلام عباس صاحب "مشاہیر نسوان" میں رقم طراز ہیں:۔
حجاب لکھنؤ کی ایک جادو بیان شاعرہ کا تخلص ہے۔ قمر النساء ان کا نام ہے۔ ۱۸۹۰ء کے پس و پیش میں مشق سخن کرتی تھیں۔ شمس النساء شرم کے دیوان "عروس مضمون" مطبوعہ بار دوم میں ان کی فصیح و بلیغ تقریظ چھپی ہے۔ جسے انھوں نے اپنے چند شستہ اور سلیس اشعار پر ختم کیا ہے (افسوس کہ کلام کا نمونہ نہ مل سکا)

عفت نام معلوم نہ ہو سکا۔ تذکرۃ النخواتین اور "شاعرات اردو" دونوں میں صرف تخلص لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ ۱۹۱۰ء میں بقید حیات تھیں۔ ملاحظہ ہو نمونہ کلام۔

سنتا نہیں احوال کوئی کس کو سنائیں
ہمدرد نہیں کوئی بھی غم خوار نہیں ہے

---

[1] یہ شعر شاعرات اردو صفحہ ۱۷۵ پر آگرہ کی رہنے والی ایک شاعرہ فاطمہ کے نام درج ہے۔

ضیا سکندر جہاں بیگم نام تھا۔ میر امیر علی کوتوال ریاست جاورہ کی دختر تھیں۔ مولوی جمیل احمد بریلوی مصنف "شاعرات اُردو" لکھتے ہیں کہ "نہایت پختہ مشق اور پر گو شاعرہ تھیں۔ ان کے اشعار سے قادر کلامی جھلکتی ہے۔" ناظر کاکوری اپنے تذکرے "شمع شبستان" میں موجودہ شاعرات (۱۹۳۲ء) کے تحت لکھتے ہیں۔ ایک قصیدہ نواب سکندر جہاں بیگم والی بھوپال کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ جس کے صلے میں ان کو ڈیڑھ سو روپے بطور انعام ملے تھے۔ اس قصیدے کی تشبیب سودا اور ذوق کے پایہ کی ہے اور واقعی اس سے ان کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تجھ سے بھی ہے ہمیں کچھ کار ضروری اس دم
کہہ دے اے فکر رسا آج میری ہو مہمان

شاعراتِ اُردو میں ان کے کلام کا بڑا اچھا انتخاب ہے۔ اس میں سے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ایک قاتل سے دوستی کی ہے — موت سے ہم نے دل لگی کی ہے

بھلا خاکساروں سے اتنی کدورت — نہ تھے خاک میں ہم ملانے کے قابل

یوں جو ہم نوجوان مرتے ہیں
ان کی یاد شباب ہے دل میں

پئے مشقِ جفا لاؤں کہاں سے
تمھیں تو چاہیئے روز اک نیا دل

رُباعی

گم کردہ رہ غریب ہوں منزل سے دُور ہُوں
طوفاں زدہ سفینہ ہوں ساحل سے دُور ہُوں
ظالم اب اپنے در سے اُٹھاتا ہے کس لیے
کیا کم ہے یہ ستم کہ تیرے دل سے دُور ہُوں

شریر مس میری فلورا سارکس نام اور شریر تخلص۔ آگرہ میں قیام تھا پھر ۱۹۱۱ء میں رام پور آئیں۔ رام پور میں ان کو اختر جہاں کا خطاب ملا تھا۔ انھوں نے نواب صاحب رام پور کی ایک غزل کی تضمین کی ہے۔ غزل یہ ہے:۔

یہ جو ہے ملنے میں عار دیکھئے کب تک رہے
دشمنِ جاں وہ نگار دیکھئے کب تک رہے
قلب میں اس کے غبار دیکھئے کب تک رہے
ہم سے خفا ہے جو یار دیکھئے کب تک رہے
غیر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے

شمس النساء شرم مصنف شاعرات اُردو نے ان کا مفصل حال نہیں لکھا اور نہ سنہ دیا ہے۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ شمس النساء بیگم نام اور شرم تخلص تھا۔ کلیم قمر الدین کی شاگرد تھیں۔

بنارس مولد تھا۔ سکونت لکھنؤ میں رہی۔ کلام میں فحاشی زیادہ ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس النساء بیگم خواجہ وزیر کی تلمیذ تھیں انھوں نے ایک دیوان "عروس مضمون" اپنی یادگار چھوڑا، ۱۹۰۲ء تک بقید حیات تھیں۔ غلام عباس صاحب اپنے تذکرہ "مشاہیر نسوان" میں جو ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا فرماتے ہیں:۔

"مرشد آباد کی بیگم کا نام ہے۔ ان کے حالات ہمارے ناچیز بیان کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کے لوکل اخبارات بارہا ان کے نیک اور فیاضانہ کاموں کو پبلک پر روشن کرتے رہے ہیں۔ امداد قحط انسداد ٹرانسوال وکٹوریہ میموریل فنڈ وغیرہ کے چندوں میں بیگم صاحبہ نے معقول رقمیں دی ہیں۔ عرصہ دو تین سال کا ہوا کہ بیگم صاحبہ نے عمدہ تاریخی مضمون لکھنے والے کو انعام دینے کا اشتہار دیا تھا۔ ملکی اور قومی تعلیم کا بیگم صاحبہ کو بہت خیال ہے۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں محمڈن انگلو اورینٹل کالج میں تشریف لائی تھیں۔ کالج کی عمارات طریقۂ تعلیم اور انتظام کو توجہ سے دیکھا تھا۔"

ان کا دیوان "عروس مضمون"، مطبع نامی لکھنؤ سے چھپ چکا ہے۔

ناشر صاحب لکھتے ہیں:۔

"خود اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کلام کسی عروس نازک خیال شیریں زبان کا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ نواب

شمس النساء بیگم نے یہ ثابت کر دیا کہ صاحبِ کمال وجمال ہونا موروثی حصّہ نہیں جسے خدا دے وہ لے"۔

نمونۂ کلام یہ ہے:۔

جو تیری کاکل مشکیں کی بو صبا لائی　　دماغ عرش پہ اس خاکسار کا پہنچا

سو طرح کی جفا تیری اے نازنین سہی
اس پر بھی قدر تجھ کو نہیں تو نہیں سہی

یا بہانے سے بلائیں اسے یا خط ہی لکھیں
شرؔم کیا خوب یہ سوجھی ہمیں تدبیریں دو

وصل میں شرم و حیا شرم کو مشکل ہے بہت
کثرتِ شوق سے ہو جاتا ہے دشوار لحاظ

بدر النساء خفی

خفیؔ دکن کی مشہور شاعرہ تھیں ان کا کلام "دیوان خفی" کے نام سے ۱۳۱۰ھ میں مطبع مفنن دکن میں بہ اہتمام ابو الفیض سعید الدین (مصنفہ کے والد) طبع ہوا۔ اس پر بہت سے شعرا نے تقریظیں اور قطعے لکھے۔ مرزا داغ دہلوی نے بھی قطعہ لکھا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

واہ عصمت مآب کیا کہنا　　کیا ہی اچھی کہی ہے نعتِ نبیؐ

تپشِ دل کی آگ ہے اس میں ‏ ‏ ‏ ‏ اور ایک لاگ ہے محبت کی

ان کا کلام صرف مدحِ رسولؐ اور عشقِ حقیقی تک محدود ہے۔ سید محمد محمدؐ منصور علی بخاری نے تقریظ لکھی ہے جس میں مصنفہ کے حالات بھی قلمبند کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم عربی۔ فارسی وانگریزی کی ماہر ہیں۔ سعید الدین حسین صاحب سے بیعت کی تھی۔ نصیر الدین ہاشمی اپنے تذکرے "خواتین دکن کے اردو خدمات" میں لکھتے ہیں:۔

بدر النساء نے (۱۴) سال کی عمر سے شعر گوئی شروع کر دی۔ دکن کے مشہور شاعر ڈاکٹر احمد حسین مائلؔ سے تلمذ رہا۔ ان کا پورا دیوان ردیف وار ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:۔

ناز سے آئے گا جس وقت وہ محبوبِ خدا
دیکھنا حشر میں ایک حشر نمایاں ہوگا

دلِ مضطر کو بہلایا تو ہوتا ‏ ‏ ‏ ‏ کبھی پھر خواب میں آیا تو ہوتا

توبہ کرتی ہوئی بھاگی ہیں بلائیں ساری
بن گیا جب سے محمدؐ میرے دل کا تعویذ

منعم

اُمتہ الفاطمہ بیگم نام منعمؔ تخلص تھا۔ "خواتین دکن کی اردو خدمات" میں ان کے حالات درج ہیں۔ یہ

عبد السلام صاحب مرحوم تحصیلدار کی اہلیہ تھیں۔ ایک کتاب نظم نامہ کے نام سے لکھی تھی۔ نمونۂ کلام:۔

مبارک عید قرباں آئی ہے ہر ایک شاداں ہے
خدا کی رحمتوں سے شادماں ہر ایک انساں ہے

ایجاد کمال النسا بیگم صدارت جنگ مرحوم کی اہلیہ تھیں۔ شاعری میں اچھی مہارت تھی۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی کے بیان کے مطابق اپنی عزیز اور محبوب دختر سکندر جہاں بیگم مرحومہ کے انتقال کے باعث عموماً مرثیے نوحے وغیرہ لکھا کرتی تھیں۔ ایک طویل مثنوی "غمگسار بیوہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ نمونۂ کلام:۔

آئے اگر وہ شوخ دل آرا کبھی کبھی
جاگے نصیب خفتہ ہمارا کبھی کبھی

لاش پر کہنا میرا رو رو کے شیون کرنا
تنہا آج آپ چلے ہم بھی ہیں کل آنے والے

کوئی ایسا نہیں ہو جس سے محبت مجھ کو
تم ہی آنکھوں میں تم ہی دل میں سمانے والے

مالکہ جان مالکہ | اس کے حالات

مصنفہ رام بابو سکسینہ میں درج ہیں۔ یہ ایک آرمنی مشہور طوائف تھی جو شاعرہ بھی تھی۔ اس کا دیوان "مخزنِ الفت" ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوا۔ اس کی بیٹی گوہر ایک مشہور شاعرہ تھی اور اس نے اپنی ماں کے دیوان کے متعلق ایک قطعہ لکھا۔ اس میں مختلف انواع کے اشعار شامل ہیں۔ جس میں غزلیں۔ ٹھمریاں۔ بھیرویں۔ ہولی اور دادرے وغیرہ ہیں۔ اس کا دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

غزلیں زبان اور محاورے کے اعتبار سے اچھی ہیں۔ اس کی ٹھمریاں اور گیت اس کے ماہرِ موسیقی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام:-

کچھ تو دم لینے دے اے شدّت بیتابیٔ وصل
خواب غفلت سے ستمگر کو جگا لوں تو کہوں

آپ ہی آپ جو یوں روتی ہو
مَلکہ سچ کہو کیا یاد آیا

کسی سے دل لگانا جان کا دینا ہے اے ملکہ
وفا تو اُٹھ گئی اب بیوفائی ہے زمانے میں

صحیفہ بانو

عرف حاجی بی بی ان کے حالات ہمیں محترمی جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی ریڈر فارسی اور اُردو ڈھاکہ یونیورسٹی

نے از راہِ عنایت مرحمت فرمائے ۔ ان کا حال کسی تذکرے میں مذکور نہیں۔ ان کی یادگار (۳۲) صفحے کا ایک نعتیہ رسالہ "یادگار صحیفہ" ہے۔ جو رزاقیہ پریس مدراس میں ۱۳۳۳ھ میں طبع ہوا۔ منشی محمد ابراہیم خاں المتخلص بہ جوہر ویلوری نے اس رسالے کی تقریظ لکھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیفہ بانو ان سے اصلاح لیتی تھیں۔ جوہر ویلوری لکھتے ہیں :۔

"صحیفہ بانو کو شاعری میں زیادہ دخل نہیں مگر کچھ کچھ، تاہم فحش غلطی بھی نہیں پائی گئی۔ ہاں تذکیر و تانیث میں کہیں کہیں اصلاح ہوتی رہی۔"

تمام کلام نعت پر مشتمل ہے۔ تاہم بقول ڈاکٹر صاحب محترم بعض غزلیں ایسی بھی ہیں جو نعتیہ سے زیادہ عاشقانہ ہیں۔ مثلاً :۔

مجھے اس بیوفا سے پھر محبت ہونے والی ہے
دوبارہ وصل کی فرقت میں راحت ہونے والی ہے

جناب ڈاکٹر شادانی نے ان کے کلام کی دوسری خصوصیت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنی ہم عصر شاعرات کے برعکس اپنے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کرتی ہیں۔ ان کی شاعری خارجی ہے۔ خاص خاص واقعوں سے متاثر ہو کر فکر سخن کی ہے۔ اس کا ثبوت ان کی وہ غزلیں ہیں جو انھوں نے سلہٹ کی وبا کے متعلق قلمبند کی ہیں۔

باب ششم

دورِ جدید

عصر بیداری

ادب اُردو کے جس نخل کی آبیاری بزرگوں نے کی تھی وہ دن بہ دن تناور درخت کی شکل اختیار کرتا جارہا تھا۔ خواتین میں تعلیم سرعت سے پھیلتی جارہی تھی۔ انگریزی تعلیم نے ہندوستانی عورت کی ذہنیت بہت کچھ بدل دی، اسے اپنی زبون حالی کا احساس ہوا اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ قفس کے باہر بھی ایک "دُنیا" آباد ہے۔ لیکن جب اس کو "قفس" سے آزادی ملی تو وہ اپنی قوتِ پرواز کھو چکی تھی۔ خواتین کی مساعی کا حاصل یہ ہوا کہ انھیں پہلی مرتبہ سوسائٹی میں اپنے حقوق کی حفاظت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ جب مساتینگ[1] اصلاحات کے نفاذ کا اعلان ہوا اور اس میں خواتین کو نظر انداز کر دیا گیا تو یہ طے ہوا کہ خواتین کا ایک وفد وائسرائے کے پاس اپنے حقوق کے مطالبے کے لیے جائے۔ آخر حکومت نے بھی ہندوستانی عورت کی پس ماندگی کو محسوس کیا۔ اور چند مراعات دیئے۔ چونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہوا کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس زمانے کے ادب میں بھی ان

---

[1] مارگریٹ رای۔ کزن کی کتاب

تحریکات کا عکس نظر آتا ہے۔ اس زمانے کے ادب کے معرکۃ الآراء موضوع تعلیم۔ پردہ۔ اخلاق۔ حق خلع۔ طلاق۔ وراثت تعدد ازدواج کی خرابیاں وغیرہ تھے جن پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا۔

افسانوں میں تعلیم کا پرچار کیا گیا۔ حقِ وراثت و خلع وغیرہ کی حمایت میں آواز بلند کی گئی۔ بے جا تقلید مغرب، تعدد ازدواج وغیرہ کے نقصانات دکھائے گئے۔ نسوانی ادب کے ہر شعبے میں ترقی ہوئی۔ ادب کی مختلف صنفوں خطابت۔ مضمون نگاری۔ صحافت۔ افسانہ نگاری۔ ناول نویسی۔ ڈرامہ غرض تمام شعبوں کو خواتین نے مالا مال کیا۔ چونکہ اس زمانہ میں لکھنے والیوں کی تعداد کافی ہے۔ اس وجہ سے ہم مختلف سرخیوں کے تحت نسوانی ادب کا مطالعہ کریں گے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جتنی ترقی افسانہ نگاری اور مختصر مضمون نویسی میں ہوئی۔ اتنی کسی دوسرے شعبے میں نہیں ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ افسانے کے لیے جس احساس لطیف اور جذبۂ صادق کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خواتین میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مرزا محمد سعید صاحب دہلوی نے "شمع" کے دیباچے میں بالکل صحیح لکھا کہ دُنیا کی سب زبانوں کا یہی حال ہے۔ سب زبانوں میں افسانوی ادب کی تخلیق زیادہ تر خواتین کی رہینِ منت رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشہور افسانہ نگار اور ناول نویس خواتین ہی میں ہوئی ہیں۔

ناول

اِصلاحی ناول

۱۔ صفیہ بیگم	از محمّدی بیگم
۲۔ اختری بیگم	از ظفر جہاں بیگم
۳۔ غیرت کی پُتلی	از فاطمہ بیگم منشی فاضل
۴۔ انجامِ زندگی	از ضیا بانو
۵۔ پیکرِ وفا	از خاتون اکرم
۶۔ بچھڑی بیٹی	از ایضاً
۷۔ سرگزشت ہاجرہ	از صغرا ہمایون مرزا
۸۔ بیاضِ سحر	از اہلیہ شیخ مرزا
۹۔ قمر جہاں	از بیگم ضیا الحسن
۱۰۔ زہرا بیگم	از عباسی بیگم
۱۱۔ اصلاح النساء	از خدیجۃ الکبریٰ

معاشرتی ناول

۱۔ روشنک بیگم	از بیگم ا۔ ظ۔ حسن
۲۔ شوکت آراء	از خاتون۔

۳۔ گودڑ کا لال (تین حصے)	از والدۂ افضل علی
۴۔ انوری بیگم	از طیبہ بیگم خدیو جنگ (عصمت کراچی)
۵۔ حشمت آراء بیگم	از ایضاً
۶۔ اختر النساء بیگم	از نذر سجاد حیدر صاحبہ
۷۔ نجمہ	از ایضاً
۸۔ جاں باز	از 〃
۹۔ حرمان نصیب	از 〃
۱۰۔ آہ مظلوماں	از 〃
۱۱۔ شمع	از اے۔ آر۔ خاتون
۱۲۔ تصویر	از ایضاً
۱۳۔ موہنی	از صغرا ہمایون مرزا
۱۴۔ ثروت آرا	از حمیدہ سلطان مخفی دہلوی
۱۵۔ مشیر نسوان یا زہرہ	از صغرا ہمایون مرزا
۱۶۔ نوشاب	از رضیہ سلطانہ
۱۷۔ فیروزہ بیگم	از جمیلہ بیگم کلکتہ

ترا جم

۱۔ قلوپطرہ	از سلمیٰ تصدق
۲۔ حشیشن	از فاطمہ بیگم

۳۔ آئینہ عبرت	از خجستہ اختر
۴۔ ضیغم	از سعیدہ مظہر
۵۔ افسانہ زرین	از اسما طیب حسین
۶۔ ذرۂ عظیم	از برج کماری

متفرق

۱۔ دختران صحرا	از اقبال خانم
۲۔ ماہ درخشاں	از بیگم احمد علی
۳۔ یادِ رفتگان	از ہمشیرہ عشرت حسین

نفسیاتی ترقی پسند

۱۔ ظالم محبت	از حجاب امتیاز علی
۲۔ ضدی	از عصمت چغتائی
۳۔ ٹیڑھی لکیر	از ایضاً

۳-۹
ج-ل-۸۳

پہلا دور

اِصلاحی ناول

اُردو ادب میں ناول نگاری شروع ہوئی۔ یوں تو اس سے پہلے نثر میں قصے کہانیاں موجود تھیں لیکن ان کو ناول کہنا مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان قصوں میں زندگی کی عکاسی

نہیں نہ افراد قصہ عام انسانوں جیسے ہیں۔

سب سے پہلے ۱۸۶۹ء میں مولوی نذیر احمد نے مرأۃ العروس لکھ کر اُردو زبان کو ناول سے روشناس کرایا۔ نذیر احمد نے سب سے پہلے بعید از قیاس داستانوں کی جگہ اصلی واقعات اور صحیح معاشرت کو قصہ کی صورت میں پیش کیا۔ یہ بات یہاں قابلِ غور ہے کہ اُردو ناول کی پیدائش میں بالواسطہ نہ سہی بلا واسطہ خواتین کا دست عمل کارفرما ہے۔ کیونکہ مرأۃ العروس عورتوں کے نصابِ تعلیم میں رکھنے کے لیے لکھی گئی۔ اس کا مقصد عورتوں کی تربیت تھا۔[1]

جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے اس زمانے میں خواتین کے دل میں اپنی جنس کا درد پیدا ہوا۔ اور اپنی حالت کی اصلاح کا خیال ہوا۔ ابھی نسوانی دماغ سنجیدہ اور خشک مسائل کو تو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اصلاح کی تلخ حقیقتوں کو قصے کہانیوں کے شکر میں لپیٹ کر پیش کیا۔ ذہنوں میں جِلا ہوئی تو ان پرانے مُضر رسم و رواج کے نقصانات سمجھ میں آنے لگے جو ہندوستانی معاشرت کے جسم کو گھن کی طرح کھا رہے تھے۔ اس لیے اصلاحی قصے عام فہم زبان میں لکھے جانے لگے۔ چنانچہ اس دَور کی خواتین مثلاً محمدی بیگم۔ طیبہ بیگم۔ خدیجۃ الکبریٰ وغیرہ نے اس طرف توجہ کی۔ اور چھوٹے چھوٹے اصلاحی قصے لکھے جو زنانہ ناولوں کے سنگ بنیاد

---

[1] "داستان اُردو" از حامد حسن قادری (۲) "اُردو کا پہلا ناول نگار" از ادیس احمد (۳) "کردار اور افسانہ" از پروفیسر سروری۔

کہے جا سکتے ہیں۔

صفیہ بیگم[1] ـــــ ایک اصلاحی قصہ ہے جس میں بچپن کی منگنی کی مضر رسم پر عبرت انگیز پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کی زبان سلیس اور قصہ عام دلچسپی کا حامل ہے۔

شریف بیٹی[2] ـــــ میں ایک لڑکی کا کردار پیش کیا ہے جس نے مصیبتیں اٹھا کر اپنے باپ دادا کی عزت بنائے رکھی۔ اسی زمانے میں مولانا راشد الخیری نے نذیر احمد کی پیروی کرتے ہوے خواتین کے لیے کتابیں لکھنی شروع کیں۔ مولانا نے اپنی تصانیف میں ہندوستانی عورت کی زبون حالی اور درماندگی کے غم انگیز نقشے کھینچے۔ اور نسوانی فطرت کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کیا۔ مولانا نے اس مقصد کے لیے ایک زنانہ رسالہ عِصمت ۱۹۰۶ء میں جاری کیا جس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس کی مضمون نگار خواتین تھیں۔ اس رسالے نے خواتین میں ادبی ذوق و شوق پیدا کرنے اور اس کی تکمیل میں بہت مدد دی۔ راشد الخیری کا طرز خواتین میں بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ اکثر خواتین نے ان کے تتبع میں ناول لکھے، جس میں ضیا بانو کا ناول انجامِ زندگی[3] ـــــ بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ مولانا کے طرز کی کامیاب پیروی ہے۔ محترمہ محمدی بیگم کے بعد تہذیب ہی کی مضمون نگار ظفر جہاں بیگم نے "اختری بیگم" ایک قصہ لکھا جس میں سوتیلی ماں کے مظالم کی داستان بیان

---

[1] دارالاشاعت پنجاب (لاہور) [2] دارالاشاعت پنجاب (لاہور)
[3] مطبوعہ عصمت بک ڈپو

کی گئی تھی۔ قصہ مؤثر ہے۔ مصنفہ نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ اصلی قصہ ہے جس کے صرف نام تبدیل کر دیئے گئے۔ ہندوستانی عورتوں کی جہالت کے مدِ نظر یہ بات بعید از قیاس نظر نہیں آتی۔

غیرت[1] کی پُتلی ـــــ فاطمہ بیگم منشی فاضل نے ایک قصہ "غیرت کی پتلی" لکھا۔ یہ عین مختلف الخیال عورتوں کی کہانی ہے۔

سرگزشتِ[2] ہاجرہ ـــــ از صغرا ہمایون مرزا۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ چار عورتوں کی سرگزشت ہے۔ ہر ایک واقعہ ایک پیغام کا حامل ہے۔ لڑکیوں کی تربیت کے لیے یہ ناول مفید ہے۔ کیونکہ اس میں گھریلو زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے بڑے اچھے مشورے دیئے گئے ہیں طرزِ بیان معمولی ہے۔ ناول مکالمے کے رنگ میں لکھا گیا ہے۔ سر محمد اقبال نے لکھا تھا کہ سرگزشتِ ہاجرہ مستورات کے لیے نہایت مفید کتاب ہے، طرزِ بیان بھی سادہ مؤثر اور دلکش ہے۔

مشیرِ[3] نسواں یا زہرہ ـــــ یہ بھی صغرا ہمایون مرزا کا مختصر اخلاقی ناول ہے۔ لڑکیوں کو بہت سی مفید ہدایات قصے کے پیرایہ میں دی گئی ہیں۔ اندازِ بیان میں خاص ندرت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ صغرا ہمایون مرزا کے ناولوں میں اچھا ہے۔ خواتین کے طبقے میں خوب مقبول ہوا۔ تین بار چھپ چکا ہے۔

ع۱ مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور) ع۲ مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔
ع۳ مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔

زہرا بیگم۔ از عباسی بیگم ——— یہ ان ناول نویسوں کے طبقے میں تھیں جن کی کوشش اپنے زمانے کے طبقہ نسواں کو روشن خیال بنانے میں صرف ہوئیں۔ انھوں نے مسلم معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی۔ مثلاً ازدواج۔ پردہ۔ دولت کی شادیاں۔ کمسن لڑکی اور کہن سال مرد کی شادی وغیرہ جیسی معاشرتی برائیوں کی اصلاح پر زور دیا ہے۔ یہ ناول غم انجام ہے۔ مصنفہ نے بڑے مؤثر طریقے پر بے جوڑ شادیوں کے اہم مسئلے کو سلجھایا ہے۔ ناول کے ہیرو ایک حسن نواب ہیں۔ اور ہیروئن ایک تعلیم یافتہ نوجوان لڑکی۔ نواب صاحب زندگی بھر بیوی کی ناز برداری کرتے ہیں۔ ان کا چراغِ حیات جلد ہی گُل ہو جاتا ہے اور وہ زہرا کو موجِ حوادث کے تھپیڑے کھانے کے لیے تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ ناول پڑھنے کے بعد مطالعہ کرنے والے پر ایک دیرپا اثر قائم رہتا ہے یہی اس کا حسن ہے ناول میں ادبی شان ہے۔ طرزِ بیان دلکش ہے۔ مصنفہ نے جابجا اشعار سے اپنے مطلب کی وضاحت کی ہے۔ ناول کے طرزِ بیان کی خوبی اس کے "پیغام" پر غالب آجاتی ہے۔

طیبہ بیگم خدیو جنگ نے دو ناول انوری بیگم اور حشمت آراء لکھے۔ انوری بیگم خواتین کے لکھے ہوئے ناولوں میں خاص اہمیت کا مالک اور ناول نگاری کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس میں مشرقی اور مغربی تمدن کی آویزش ہے۔ اعلیٰ ناولوں کی ساری خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ اس کی پہلی

۱؎ دارالاشاعت پنجاب (لاہور) دیکھو۔

قابلِ ذکر خصوصیت پلاٹ کی دلکشی اور جاذبیت ہے۔ وہ بقول پروفیسر سروری قاری کی دلچسپی کو ماحول کی تمام چیزوں سے ہٹا کر اپنی طرف جذب کر لیتی ہے۔ ناول کے افراد ہمارے جیسے گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہیں۔ کوئی بات صداقت سے بعید نہیں۔ "سجاد" اور "انوری" کی محبت کامیاب شادی کی اچھی مثال ہے۔ واقعات پیش کرنے کا طریقہ ڈرامائی ہے۔ زبان سیدھی سادی دلکش ہے۔ واقعات سادہ اور عام فہم ہیں۔ پڑھنے والا واقعات کی دلکشی میں اتنا کھو جاتا اور ناول کے افراد سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی اس ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے یہ اچھے ناول کا زبردست کمال ہے۔ طیبہ بیگم کی تحریریں پیچیدگی اور تعقید نہیں ہے۔ انوری بیگم پڑھنے سے "سادگی" میں "پرکاری" کا مزہ ملتا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:-

"لایق مصنفہ نے بڑی خوبی سے اس تمام زندگی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شریف حیدرآبادی گھرانے کی معاشرت کا صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔"

[illegible]ان میں مبالغہ نہیں۔ ایک سیدھی سادھی زندگی کو بے تکلف طور پر صاف صاف [illegible] کہیں کہیں ظرافت کا چٹخارہ بھی ہے جس سے کتاب اور دلچسپ ہو گئی ہے۔

حشمت آراء ـــ طیبہ بیگم کا دوسرا دلچسپ معاشرتی ناول حشمت آراء ہے۔ جون ۱۹۲۰ء میں تاج پریس [illegible] طبع ہوا۔ ٹائیٹل پر یہ عبارت

درج ہے۔

"ہندوستان کی طرزِ معاشرت کا مرقع اخلاق حمیدہ اور صفات ستودہ کی بولتی تصویر نسوانی وہم پرستی کا اڑایا ہوا خاکہ۔ ہمّت مردانہ کا کارنامہ۔ واقعات اور مشکلات کا زبردست مقابلہ پند و نصائح کا گنجینہ۔ روزمرّہ کے حالات و جذبات کا آئینہ۔ رحم و کرم۔ محبت و ہمدردی اور نفع رسانی خلائق کا انمول خزانہ۔ لڑکوں کا رفیق طریق اور لڑکیوں کے لیے رہنما اور اتالیق۔"

مصنفہ نے دراصل اسے اس مقصد کے لیے لکھا بھی تھا۔ اسے انھوں نے اپنے چاروں بچوں کے نام معنون کیا ہے۔ اس کا پیش لفظ علامہ عبداللہ یوسف علی نے لکھا۔ جس میں وہ افسانہ نگاری کے لزوم بیان کرتے ہوئے اس کے "جز" صداقت پر بہت زور دیتے ہیں۔ صداقت سے ان کی مُراد یہ ہے کہ واقعات اس طریقہ سے بیان کئے جائیں جس سے ناظرین یا سامعین کے روبرو ایک ایسی اخلاقی تصویر کا نقشہ کھنچ جائے جو کسی مصنف یا مصنفہ کے نقطۂ نظر سے اصلی متصور ہو سکے۔ قصّہ سیدھا سادہ دلکش ہے۔ ایک متوسط گھرانے کی معاشرت دکھائی ہے۔ جو ذرا ذرا نئی تعلیم سے متاثر ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں۔ اس سے بہتر ان کا دوسرا ناول انوری بیگم ہے۔

ان ناولوں کی اشاعت کے بعد ناول نگاری میں ایک باب کھلا ابھی تک خواتین کے پیشِ نظر صرف اصلاح تھی۔ لیکن اب زاویۂ ہائے نگاہ

بدل رہے تھے۔ ان کے سامنے مرد ناول نگاروں کی مثالیں تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ رتن ناتھ سرشار۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ عبدالحلیم شرر کے مقابلے میں یہ پھیکے پھیکے اصلاحی افسانے مقبول نہ ہو سکتے تھے۔ نہ سماجی روایات انھیں اس کی اجازت دیتے تھے کہ وہ کھلے بندوں مردوں کی ریس میں عشق و عاشقی۔ محبت و جنون کی داستانیں قلمبند کریں۔ خواتین نے اس کا نہایت کامیاب حل تلاش کیا۔ اور معاشرتی ناولوں کی بنا ڈالی جس سے مقصود قارئین کے لیے دلچسپی پیدا کرنا تھا۔

ناول نگاری کا دوسرا دور

معاشرتی ناول

یہ ناول خواتین کی گھریلو زندگی اور سماجی رجحانات کے اچھے عکاس تھے۔ چنانچہ "خاتون" (مسز عباس طیب جی صاحبہ کا ناول) "شوکت آرا" "گوڈر کا لال" (از والدہ افضل علی) روشنک بیگم نے اس دنیا اور اس ماحول کی عکاسی کی ہے جس میں وہ خود رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا ماحول ہوٹلوں۔ چاوڑی بازاروں۔ اور عشق و عاشقی کے بکھیڑوں کا نہیں ہو سکتا کے لیے اکھا۔ اسی لیے گو ان میں عشق و عاشقی کی تفسیریں نہیں اس کے باوجود دلچسپی لطافت و جاذبیت ہے کہ آج بھی وہ دلچسپی اور شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

اس دَور کے ناولوں کی بڑی خصوصیت اس کی کامیاب کِردار نگاری ہے۔

شوکت آراء[1] ـــــ ایک ناول شوکت آراء کو لیجئے شوکت آراء کا کردار متوسط خاندان کی ہندوستانی لڑکی کا نمونہ ہے۔ اس کی بہادری، جرأت، ہمت اور استقلال ایسی صفات ہیں جو اس کو خاص "شخصیت" عطا کرتی ہیں۔ مشتاق کا کیریکٹر ہندوستانی مردوں کی تلوں کیشی اور غیر مستقل مزاجی کا اچھا نمونہ ہے۔ اس ناول کا موضوع "تعلیم نسوان" ہے۔ مصنفہ نے جابجا تعلیم کی خوبیوں کو سراہا ہے۔ نیز قدیم مشرقی داستانوں کی طرح قصّہ در قصّہ کا التزام رکھا ہے۔ کلثوم اور ناظمہ کے قصّے بجائے خود دو افسانے ہیں۔ لیکن اس کو اصل قصّے سے اس طرح مربوط کیا ہے کہ غیر ہمواری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ مصنفہ نے اپنے طور پہ بہت سے مسائل مثلاً عورتوں کی آزادی۔ پردہ۔ مذہب۔ عقد ثانی وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ بقول مولانا عبدالرؤف صاحب اڈیٹر ہمدرد:۔

> "مصنفہ شوکت آراء اپنے طرز کی موجدہ تھیں۔ آج اُردو زبان میں کوئی ایک ناول بھی ہمیں ایسا نہیں ملتا جو زبان کی خوبی، پلاٹ کی دل آویزی، اور خیالات کی بلندی کے اعتبار سے اس کا ہم پلّہ کہا جائے۔"

---

[1] مطبوعہ صدیق بک ڈپو لکھنو۔

زبان کو لکھنؤی سانچے میں ڈھالنے کی کو
نہیں کہ وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ ناظمہ کا کر
کی نمائندگی کر رہا ہے جو غلط تعلیم اور خراب تربیت کی بد ونکر تجربات
کے ہاتھوں تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔

روشنک بیگم[۱] ـــــ اس میں شک نہیں بلحاظ دلچسپی روشنک بیگم شوکت آراء سے ایک قدم آگے ہے۔ روشنک میں پلاٹ کی خوبصورتی اور قصّے کی موزونیت کے علاوہ زبان و بیان کی گھلاوٹ قابلِ تعریف ہے۔ مشرقی اور مغربی تمدّن کا خوبصورت امتزاج ہے۔ معاشرت کا صحیح نمونہ اور اس کا صحیح تصوّر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں نہ حد سے زیادہ روشن خیالی کی تعلیم دی گئی ہے نہ ضرورت سے زیادہ تنگ خیالی کی۔ مصنفہ کا کمال کرداروں کی پیش کشی تخلیق میں پنہاں ہے۔ روشنک کی والدہ حسینی بیگم کی ضد ہٹ اور جاہلیت ہندوستان کے اکثر گھرانوں کی تلخ حقیقت ہے۔ نیز ہمایوں فر اور روشنک کے جذبات اور تاثرات کی ترجمانی بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے۔ مصنّفہ مواد کے لیے سرگرداں نہیں۔ ان کے سامنے ہندوستانی متمول معاشرت کا ایک مکمل نمونہ موجود ہے۔ وہ جیمس جوائر کی طرح "آرٹ" کا مقصد "مسرّت" سمجھتی ہیں۔ کیونکہ یہ ناول تھوڑی دیر کے لیے ایک ایسی خوشگوار فضا میں پہونچا دیتا ہے۔ جہاں پہنچ کر انسان دُنیا کے دُکھ اور غم سے کچھ دیر کے لیے نجات پا جاتا ہے۔

---

۱ مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور)

ناول کی معراج یہ ہے کہ وہ حقیقی معلوم ہو۔ اس

ی ہو۔" روشنک پڑھ کر بھی یہی احساس ہوتا ہے۔

لال" از (والدۂ افضل علی) بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اس

ھتے ہیں۔ یہ ناول بہت دلچسپ ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے

بہت مفید ہے۔

ناولِ نگاری میں ایک کامیاب تجربہ

ان ناولوں کے بعد محترمہ نذر سجاد حیدر کے ناول ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح سجاد حیدر مرحوم نے ترکی ناولوں کا اُردو میں کامیاب ترجمہ کیا اور فنِ ناول نگاری کو جو گھٹنوں کے بل چل رہا تھا۔ چلنا سکھایا اسی طرح محترمہ نذر سجاد حیدر نے خواتین کے لیے ناول لکھ کر ناول نگاری میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ ان کے زر نگار قلم نے ادب کے باغ میں بہت سے خوبصورت پھول کھلائے۔ جن کی خوشبو ابد تک قائم رہے گی۔ یہ ناول محض معاشرتی دلچسپیوں ہی کے حامل نہیں تھے۔ ادبیت اور رومان کے امتزاج نے انھیں خاص پایہ کی چیز بنا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے ناول انیسویں صدی کے بلند پایہ ناولوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ مرد مصنفین نے بھی اس پائے کے ناول بہت کم لکھے ہیں۔

اختر النساء ـــــ ان کی پہلی کوشش ہے۔ کہا جاتا ہے ترقی پسندی

ع۱ مطبوعہ صدیقی بک ڈپو لکھنؤ

کی تحریک ۱۹۳۶ء سے شروع ہوئی۔ لیکن سچ پوچھئے تو خواتین کی تحریروں میں اس سے بہت عرصہ قبل ہمیں واقعاتی جھلکیاں اور حقائق ملتے ہیں۔ خواتین نے جتنا ادب پیش کیا۔ وہ ان کی اپنی زندگی کے تجربات پر مشتمل تھا۔ اختر النسا میں مصنفہ نے معاشرت کے ایک زخم کو کریدا اور نسوانی فطرت کے ایک رکیک پہلو کو بے نقاب کیا ہے۔ اس ناول کا موضوع سوتیلی ماں کے مظالم ہیں۔ اس موضوع پر اکثر خواتین نے خامہ فرسائی کی۔ ان سے پیشتر محترمہ ظفر جہاں نے بھی ایک قصہ "اختری بیگم" اسی موضوع پر لکھا لیکن اختر النساء اور اختری بیگم میں بہت فرق ہے۔ اختری بیگم ایک کچا خاکہ ہے جو نکھر کر اور رنگوں سے آراستہ ہو کر ہمارے سامنے اختر النساء کی شکل میں موجود ہے۔ اختر النساء کے کردار خالص مشرقی ہیں نہ مکمل مغربی۔ یہ مشرق و مغرب کے خوشگوار آمیزش کا نتیجہ ہیں۔ اختر النساء کے والد رفیق حسن کا کیریکٹر مردوں کی کمزور فطرت کا غماز ہے۔ اختر النساء کا کردار ہندوستانی عورت کے صبر و تحمل کا بے مثل نمونہ ہے۔ اس کی شادی اس کے خلافِ مرضی ظفر سے کر دی جاتی ہے۔ لیکن وہ حرفِ شکایت زبان سے نہیں نکالتی۔ ناول کی زبان بہت نکھری ہوئی ہے۔ ہر باب کا آغاز اس کے حسب حال شعر سے کیا گیا ہے۔ جس کا تتبع اکثر مرد مضمون نگار کرنے لگے ہیں۔

آہِ مظلوماں ـــــ ان کا دوسرا اصلاحی ناول ہے۔ نذر سجاد حیدر کے

مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور)

ناولوں کا مقصد دلچسپی و تفریح کے علاوہ اصلاح بھی ہے۔ وہ ادب برائے ادب کی حامی نہیں۔ گو ان کے ناولوں پر ترقی پسندی کا لیبل نہیں۔ کیونکہ اس میں "مزدور" اور "طوائف" کی مظلومیت اور سرمایہ داروں کے ظلم کی داستان نہیں بیان کی گئی۔ جس سے ترقی پسندی کا گمان ہو۔ اس میں ہندوستان کی پسماندہ اور بیکس نسوانیت کے حقوق کا پرچار کیا گیا ہے اور تعددِ ازدواج کے پیچیدہ مسئلے کو سلجھایا ہے۔ اس ناول میں گو ان کا زیادہ کمال اجاگر نہیں ہو سکا کیونکہ ابتدائی زمانے ۱۹۱۱ء کی تصنیف ہے۔ تاہم یہ ناول ناظرین کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ اسے پڑھ کر کچھ دیر کے لیے ہم کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ غریب گھرانوں میں افلاس کے باوجود اس رسمِ بد کی ترویج غور طلب ہے۔

حرمان نصیب ـــــ بہن بھائی کی محبت کی دلچسپ اور پرکشش داستان ہے۔ ماحول مغربی اور متمول ہے۔ جیسا کہ نذر سجاد حیدر کے تمام ناولوں کی خصوصیت ہے۔ اس قصہ میں زیادہ کشش نہیں۔

نجمہ ـــــ اس میں شک نہیں۔ نجمہ ان کے سب ناولوں میں سب میں زیادہ کامیاب ہے۔ جذبات نگاری۔ منظر کشی اور پلاٹ کے اعتبار سے نہ صرف ان کے بلکہ اُردو کے اول درجے کے ناولوں میں اس کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ موصوفہ نے ایک متمول خاندان کے تین بھائیوں کی زندگی کے تانے بانے سے ناول کا پلاٹ تیار کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا مقصد

اصلاح ہے۔ (یعنی مصنفہ ضرورت سے زیادہ آزادی کو نامناسب قرار دیتی ہیں) اس سے بدمزگی پیدا ہونے کا احتمال ہوسکتا تھا۔ لیکن رومان کی آمیزش نے قصّے کو بے حد دلچسپ اور جاذبِ توجہ بنا دیا ہے۔ چونکہ حزنیہ ہے اس وجہ سے زیادہ موثر ہے۔ ناول کے ہیرو جمیل کا شادی کے بعد اپنی پہلی محبت کا گلا گھونٹنا۔ نجمہ کا جمیل کو مایوس کر کے ایک سراب کے پیچھے بھٹکنا پھر جمیل کے پاس جانا۔ نجمہ و جمیل کی پاکیزہ محبت۔ نجمہ کا زبردست ایثار بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

جاں باز ـــــ ۱۹۳۵ء جیسا کہ مصنفہ نے دیباچے میں لکھا ہے۔ اس ناول کا کچھ حصّہ ۱۹۲۱ء میں چھپا تھا۔ جانباز معاشرتی اور اصلاحی سے زیادہ رومانی داستان ہے۔ سوز و گداز قصّے کی جان ہے۔ اختر النساء میں بھی سوز ہے۔ لیکن اختر النساء کا سوز جاں باز کے سوز سے بالکل مختلف ہے۔ "جانباز" ایک ناکام محبت زندگی کی داستان ہے۔ اس میں مرد کا ایثار اور محبت کے جذبہ کی دیرپائی ثابت کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف کے وقت مصنفہ کے قلم میں پختگی آگئی ہے۔

ثریّا ـــــ ان کا چھٹا ناول "ثریا" زیرِ طبع ہے۔

معاشرتی ناولوں ہی میں محترمہ اے۔ آر خاتون کی تصنیف "شمع" کا بھی شمار ہے۔ گو شمع ۱۹۳۹ء میں طبع ہوئی جب کہ ترقی پسند تحریک کی ابتدا ہو چکی تھی۔ تاہم یہ "روشنک" "شوکت آرا" اور گوڈر کا لال ہی کی صف میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی جیسا کہ اکثر

خواتین مضمون نگاروں کا قاعدہ ہے۔ "مصنفہ واقعات کا سہارا دھونڈھتی ہیں۔ یعنی پلاٹ کے جاذبیت اور قصّے کی دلچسپی مدِنظر رکھتی ہیں۔ اس قسم کے ناولوں میں کردار زیادہ ابھر نہیں سکتے۔ پلاٹ میں دب جاتے ہیں۔ اس میں ایک تعلیم یافتہ متوسط خاندان کی زندگی کو مصنفہ نے پیش کیا ہے۔ اس میں بھی پُرانے ناولوں جیسا ایک ہیرو "منصور محمود" اور دوسرا اس کا رقیب "قمرالحسن" بدمعاش Villain ہے۔ یہ رقیب شوکت آراء کے پیارے مرزا اور روشنک کے "لاڈلے" کی طرح خاندان کے افراد ہیں۔ شمع کی سیدھی سادھی مسرت بھری زندگی کو پُرآلام بنانے والا یہی شخص ہے جس سے ناول میں کچھ دیر کے لیے کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ انجام خوشگوار ہے اس کا مقصد اصلاح بھی ہے اور تفریح بھی۔ مصنفہ نے بعض جگہ فراست الید (پامسٹری) بیجا آزادی وغیرہ پر اچھی بحثیں کی ہیں۔ کردار نگاری زیادہ مؤثر نہیں۔ پورے ناول میں طاہر کا کردار "جان دار" اور دلکش ہے۔

تصویر ـــــ اس کے بعد مصنفہ نے دوسرا ناول "تصویر" لکھا۔ "تصویر" شمع سے بہتر ہے۔ قصّے کا مرکزی خیال سوتیلی ماں کی عداوت ہے۔ پلاٹ میں عمداً پیچیدگی پیدا کر کے طویل کرنے اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ہلکا ہلکا مزاح ہے جس سے ناول دلچسپ بن گیا ہے۔ کردار نگاری زیادہ مؤثر نہیں تاہم شمع سے بہتر ہے۔ اسے دیکھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ "نقشِ ثانی" "نقشِ اول سے بہتر ہوتا ہے۔

ثروت آرا از حمیدہ سلطان مخفی دہلوی ــــــ شمع کی طرح ثروت آرا بھی ایک معاشرتی ناول ہے گو ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا تاہم قدیم طرز کا حامل ہے۔ قصہ میں کوئی جدت نہیں۔ "روشنک" اور "شمع" کا پلاٹ ہے۔ "شمع" اور ثروت آرا میں بیحد یکسانیت ہے۔ قصہ کی مشابہت توارد خیال کے قریب قریب پہنچ گئی ہے۔ شمع کے ہیرو "منصور" اور ثروت آرا کے ہیرو "ظفر جنگ" کے صرف نام جُدا ہیں۔ اسی طرح "شمع" اور "ثروت" بھی بڑی حدتک ایک دوسرے سے مشابہہ ہیں۔ ثروت آرا کی مصنفہ شمع کے بعد روشنک اور نذر سجاد حیدر کے ناولوں سے متاثر معلوم ہوتی ہیں۔ پس منظر نذر سجاد حیدر کے ناولوں کی طرح متمول اور مہذب ہے۔ روشنک کی طرح دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر اس زمانے کے رسم ورواج بڑی خوبصورتی سے بیان کئے ہیں۔ لیکن روشنک کی مصنفہ کی طرح دلچسپی قائم رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ "انفرادیت" نہ ہونے کے سبب ایک قسم کی بے لطفی پیدا ہوگئی ہے۔

قمر جہاں[۲] از مسز ضیاء الحسن صدیقی ــــــ یہ معاشرتی اصلاحی ناول ہے۔ قصے کی ہیروئن قمر جہاں ایک شوہر پرست بیوی ہے۔ جو اپنے شوہر کی ناجائز خواہشوں کی تکمیل بھی اپنا فرض سمجھتی ہے۔ قمر جہاں کے شوہر سجاد صاحب ایک دولت مند بوالہوس شخص ہیں جو بیوی کی سہیلی کے اوصاف سُن کر اس کی محبت میں مبتلا ہوجاتے اور اس سے شادی کرنا چاہتے

۱؎ دیال پرنٹنگ ورکس دہلی ۲؎ "خاتون کتاب گھر" مطبوعہ علی گڑھ پریس۔

ہیں۔ لطف یہ کہ اپنے اس ناپاک ارادے کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی بیوی کو آلۂ کار بناتے ہیں۔ قمر جہاں ان کی خواہش کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ شادی کے دن غم کی تاب نہ لاکر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتی ہے۔ بالآخر "بندِ غم" سے نجات "قیدِ حیات" سے چھوٹنے کے بعد ملتی ہے مصنفہ نے غیر ضروری طوالت سے احتراز کیا ہے۔ لیکن یہ مختصر ناول اپنی جگہ خوب ہے۔ مصنفہ کی "فن کاری" ان کے "پیغام" پر غالب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کافی دلچسپ ہے۔ ہر ایک کیریکٹر اپنی جگہ مکمل ہے۔ کردار نگاری میں مبالغہ نہیں ہے۔ سجّاد ے صاحب ان کی بیوی قمر دوسری بیوی انور سب کے کردار اپنی جگہ موزوں ہیں۔ مصنفہ نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ قصہ بالکل سچّا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ بہت مؤثر ہے۔ اختتام ایک نوحہ پر کیا ہے جو بہت دردناک ہے۔ اس میں شک نہیں یہ ایک کامیاب حزنیہ ناول ہے۔

نوشاب[1] از رضیہ سلطانہ (بنت علی محمد ششن جج) اس کا پیش لفظ صادق الخیری صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس ناول کا کوئی خاص پلاٹ نہیں۔ دو تین خاندانوں کے تانے بانے سے ناول کا پلاٹ تیار کیا گیا ہے۔ باتوں باتوں میں مختلف مسائل نکل آئے ہیں۔ مثلاً سوتیلی ماؤں کا سوتیلے بچوں سے سلوک۔ طرح دار عورت پر فریفتہ ہو کر بیوی سے تغافل۔ بھائی بہنوں کی بے لوث محبت ایسے ہی چند مسائل موضوع بحث بنے ہیں۔

---

[1] ملنے کا پتہ "خاتون کتاب گھر" مطبوعہ علی گڑھ پریس۔

کردار نگاری زیادہ جان دار نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مصنفہ قاری کو آخر تک تذبذب Suspense میں رکھنا چاہتی ہیں لیکن وہ اس کی پیش کشی میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

پیکرِ وفا از خاتون اکرم ـــــ اگرچہ اس کو ناول کی صنف میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن افسانہ میں بھی اس کا شمار نہیں۔ یہ دراصل طویل مختصر افسانہ ہے۔ جو بہت نتیجہ خیز ہے۔ اس میں مشرقی عورت کی وفاداری اور مغربی عورت کی بیوفائی دکھائی ہے۔ مشرق اور مغرب کا یہ تقابلی مطالعہ اپنی جگہ خوب ہے۔ افسانہ کافی موثر ہے۔ خاتون اکرم فطرتاً افسانہ نویس پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی زبان میں ادبیت اور دلکشی ہے۔ یہ ناول خواتین میں بہت مقبول ہوا۔ خاتون اکرم کی تخلیق گو اب سے بیس اکیس سال قبل کی ہے۔ اس اثناء میں اذہان میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی اس کے باوجود اس میں دلکشی ہے۔

بچھڑی بیٹی ـــــ ان کا دوسرا طویل مختصر افسانہ "بچھڑی بیٹی" ہے۔

بیاضِ سحر از و۔ب۔ سدید صاحبہ (بیگم شیخ تراب علی) یہ ۵۶۲ صفحے کا ایک ضخیم ناول ہے۔ جس کا دیباچہ سر شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لا نے تحریر فرمایا۔ موصوف دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

> "بیگم صاحبہ شیخ تراب علی نے ایک دلچسپ کہانی سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھی جو کئی پہلوؤں سے قابلِ تحسین ہے۔"

لہ ملنے کا پتہ عصمت بک ڈپو کوچہ جیلان عصمت پریس سے شائع ہوا۔ قومی کتب خانہ لاہور۔

ہندوستانی شرفا کا پرانا تمدن اس زمانے کے نئے نئے اثرات سے
بہ سرعت بدل رہا ہے۔ اس کی جگہ نیا تمدن ابھی پوری طرح قائم نہیں
ہوا ہے۔ اس دور کے تغیر کے حالات اس کتاب میں خوبصورت پیرایہ
میں بیان کئے ہیں۔ اور باتوں باتوں میں لڑکیوں کی تعلیم۔ ان کی شادی
بیاہ کے طریق کی اصلاح کے متعلق مفید مشورے دیئے ہیں۔ یہ بھی
ایک اصلاحی ناول ہے۔ کردار نگاری زیادہ مؤثر نہیں۔ زہرہ کا کردار
مجسمہ "خیر" ہے تو "نذیر" کا مجسمہ "شر"۔ ناول کی ٹیکنک کمزور اور
پھُسپھُسی ہے۔ جس کی وجہ سے زیادہ دلچسپی پیدا نہیں ہو سکتی۔ نذیر
کا ایک وقت میں دو شادیاں کرنا۔ زہرہ کا غیر معمولی ایثار پھر نذیر کی
بی بیوں کا آپس میں رضاعی بہنوں کا رشتہ۔ روزمرہ مشاہدے سے
بعید ہے۔ اس لیے زندگی کی حقیقی عکاسی اس میں نہیں۔ تاہم بہت
سی روح افزا بیگم اور بہت سے نذیر اس دُنیا میں بستے ہیں۔
بالعموم زنانہ ناولوں کا اختتام یا تو موت پر ہوتا ہے یا شادی پر لیکن
اس میں ہیروین کو یورپ کی تعلیم یافتہ مجرد۔ خلق کی خدمت کرتے
دکھایا گیا ہے۔ یہ پرانی نہج سے ہٹی ہوئی جدت ہے۔ مصنفہ نے مختلف
مسائل مذہبی رواداری تعدد ازدواج۔ تربیتِ اطفال وغیرہ اس میں
شامل کئے ہیں۔ بہ حیثیتِ مجموعی ناول بُرا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ خواتین کی دلچسپی اور ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا۔ قصہ حسن و عشق کی
لگاوٹوں سے پاک ہے۔

نفسیاتی ناول

تیسرا دَور

ابھی تک خواتین کے لکھے ہوئے ناولوں میں عشق و محبت کا کھلے بندوں اظہار نہیں ہوا تھا۔ نذر سجاد حیدر نے پہلی مرتبہ اس عنصر کی آمیزش کی۔ اس کے بعد حجاب امتیاز علی نے انگریزی ناولوں کی تقلید میں رومان کو مستقل طور پر ادب میں داخل کیا۔ ان کا اسلوبِ بیان بہت انوکھا اور اپنی طرز میں بے مثل تھا۔ وہ ادبی دُنیا میں بہت ممتاز ہوئیں۔ ان کی تحریریں صرف نسوانی رسائل ہی کی زینت نہیں بنتی تھیں۔ ہندوستان کے جملہ رسائل میں ان کے مضامین کی مانگ تھی۔ حجاب کا مخصوص جولان گاہ یوں تو افسانہ ہے۔ لیکن انھوں نے افسانوں کے علاوہ ایک ناول بھی "ظالم محبت" لکھا ہے۔

ظالم محبت ـــــ ایک دل دوز بلند پایہ ناول ہے۔ جس میں "محبت" اور "فرض" کی کشمکش دکھائی ہے۔ گو اس کے کرداروں کا اس دُنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ "تخیل" کے نگارخانے کے وہ بت ہیں جو اس آب و گِل کی دُنیا میں پنپ نہیں سکتے۔ مشرقی محلات کی شان و شوکت۔ درجنوں ملازمین۔ ڈنر۔ سیر و تفریح سے الف لیلیٰ کا منظر پیش

۱۔ مطبوعہ ساقی بک ڈپو، دہلی۔

ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس میں جاذبیت ہے کیونکہ اس میں مصنف نے انسان کے بنیادی اور مشترک جذبوں۔ محبت نفرت۔ مسرت۔ غم کو ماہرانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ یہ ہماری زندگی سے مشابہت نہ رکھتے ہوئے بھی ہماری زندگی کی داستان ہے۔ کیونکہ اس میں وہی غم آرزو کی کشاکش وہی سوز نہاں کی لطافت اور وہی ساز شکستہ کی بازگشت ہے۔ انسانی تمناؤں کے رنگ محل میں حسرتوں کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ "جوتی" ناول کی ہیروئین ایک امیر لڑکی ہے جسے اپنے منگیتر کے غریب دوست منصور سے محبت ہو جاتی ہے۔ جوتی کا منگیتر "منیر" جوتی کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ یہیں سے زندگی کا خوفناک کھیل شروع ہوتا ہے۔ اور منصور کی موت پر داستان ختم ہو جاتی ہے۔ حجاب کا اسلوب بیان بڑا دلکش ہے۔ اس وجہ سے اس ناول کو ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

ضدی[۱] از عصمت چغتائی ـــــ ۱۹۳۶ء سے ترقی پسند تحریک شروع ہوئی اور طے ہوا کہ ادب کو تخیل کے دائرہ سے نکال کر زندگی کی حقیقتوں سے قریب لایا جائے۔ اس تحریک سے اُردو ادب نے نئی کروٹ لی۔ خواتین کا ادب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ خواتین میں جنھوں نے سب سے پہلے ترقی پسندی کی تحریک میں حصہ لیا وہ رشید جہاں اور عصمت چغتائی ہیں۔ رشید جہاں نے افسانے اور ڈرامے لکھے۔ عصمت نے افسانے، ڈرامے ناول سب ہی اصناف میں طبع آزمائی کی۔

---

[۱] مطبوعہ ساقی بک ڈپو دہلی۔

سنہ ۱۹۴۳ء میں ان کا پہلا ناول ضِدّی چھپا۔ ضِدّی صرف نسوانی ناولوں ہی میں نہیں۔ اُردو کے ناولوں میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی بڑی خصوصیت مصنفہ کا اپنے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ ہے جس سے ناول میں جان پڑ گئی ہے۔

مصنفہ زندگی کو صرف قریب ہی سے نہیں دیکھتیں۔ اس کے کرداروں کے بطون میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفہ زندگی کے ساحل پر دُوربین لیے بیٹھی ہیں۔ اور زندگی ان کے سامنے لہکتی۔ مسکراتی۔ گنگناتی اور "روتی" گزر رہی ہے۔ ناول روزمرّہ زندگی کی تصویر ہے۔ ناول کی ہیروئین دیگر زنانہ ناولوں کے برعکس بجائے متمول تعلیم یافتہ مہذب لڑکی کے ایک غریب دیہاتی لڑکی ہے۔ ہیرو "پورن" متمول گھرانے کا معیاری ضدی لڑکا ہے۔ بچپن سے اس کی ہر خواہش کی تکمیل ہوتی رہی۔ اس نے آج تک انکار کا لفظ نہیں سُنا۔ لیکن زندگی کے سودے میں وہ جو چاہتا ہے اسے نہیں دیا جاتا۔ اسی نکتہ پر ناول حزنیہ بن جاتا ہے۔ مصنفہ نے پورن کے کردار میں ایک باغی روح کو پیش کیا ہے۔ جو بالآخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس ناول کا قصہ ہی زبردست نہیں۔ زبان۔ تشبیہہ، استعارے سب ایک نئے دبستان کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ اسلوبِ بیان ملاحظہ ہو۔ ایک پامال حقیقت ہے کہ رنجش کے بعد کی صلح مزے دار ہوتی ہے۔ اس کو مصنفہ کس طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ محبت کے تجربات کے ضمن میں لکھتی ہیں۔

"کبھی رنجش بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ بوفل سٹاپ کی طرح جملہ کو دلچسپ بنا دیتی ہے۔"

یہ زبان چٹ پٹی لکھتی ہیں۔ ان کی یہ خصوصیت انھیں دوسرے ادیبوں سے منفرد کرتی ہے۔ اس ناول کی ٹیکنیک انگریزی زبان کے ناولوں کے مقابلے کی ہے۔

تراجم

انگریزی تعلیم کی اشاعت نے خواتین میں دوسری زبانوں کے شاہکاروں کے مطالعے کا ذوق پیدا کیا۔ اس ضمن میں خواتین نے بعض بڑے اچھے ناولوں کے ترجمے کئے ہیں۔ سب سے پہلے ہمارے سامنے خجستہ اختر بانو سہروردی کا مترجمہ ناول آئینۂ عبرت[1] آتا ہے۔ یہ ایک انگلش ناول کا ترجمہ ہے۔ جو ۱۹۱۱ء سے کلکتہ کے میٹرک کے نصاب میں داخل ہے۔ کلیوپٹرا[2] از سلمیٰ تصدق۔ مترجمہ کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی سے اُردو میں منتقل کیا گیا، انگریزی میں کس کی تصنیف ہے نہیں لکھا۔ زبان سیدھی سادھی ہے۔ مترجمہ نے من وعن واقعات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ قلوپطرا کی زندگی انگریز مصنفوں اور مضمون نگاروں کے لیے معرکہ کی چیز بن گئی ہے۔ اُردو میں اس کی ضرورت تھی۔

---

[1] عصمت بک ڈپو۔
[2] ہاشمی بک ڈپو لاہور۔

افسانۂ زریں[1] از اسما طیب حسین Thorten Wilder کی تصنیف Woman of Auobros کا ترجمہ افسانۂ زریں کے نام سے کیا گیا۔ پروفیسر فیض نے اس کا دیباچہ لکھا ہے، جس میں وہ کتاب کی مترنم زبان اور روشن منظر نگاری کی وجہ سے اسے عنایت اللہ دہلوی کے ترجمے "ناتیس" کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔

حشیشین[2] مترجمہ فاطمہ بیگم (اہلیہ مرزا محمد سعید دہلوی) انگریزی لفظ Assasin حشیشین سے لیا گیا ہے۔ Assasins کے معنی قاتلوں کا گروہ۔ اس کو قاتلوں کا گروہ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس گروہ کا بانی حسن بن صباح تھا۔ وہ ایک نشہ آور بھنگ کے قسم کی چیز سے جسے عربی حشیش کہتے ہیں کام لیتے تھے، اسی لیے حشاشون کہلائے۔ ایشیا کے بڑے بڑے بادشاہوں، وزیروں اور عالموں کو طرح طرح کے دھوکوں سے قتل کیا۔ ہنری شارپ نے اس گروہ کے متعلق یہ ناول The Assasin لکھا، جس کا ترجمہ فاطمہ بیگم نے کیا۔ اُردو ادب میں یہ موضوع نیا نہیں۔ اس پر عبدالحلیم شرر نے بھی دو ناول "حسن بن صباح" اور "فردوسِ بریں" لکھے۔ فاطمہ بیگم نے مغربی مصنف کی کتاب کو بڑی خوبی سے اُردو میں منتقل کیا ہے۔ مولوی عنایت اللہ صاحب مشہور مترجم نے اس کا پیش لفظ لکھا ہے۔ ترجمہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے بعض بعض جگہ ان کو مدد بھی دی تھی۔ بہرحال یہ ایک کامیاب ترجمہ ہے۔

---

[1] ۔

[2] دارالاشاعت پنجاب لاہور سے طبع ہوا۔

ذرۂ عظیم[1] مترجمہ۔ برج کماری بزندر ناتھ ـــــ مسز وائل کی ایک دلچسپ تصنیف کو برج کماری نے اُردو کا جامہ پہنایا۔ زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ یہ ابتدائی انیسویں صدی کا ترجمہ ہے۔

ضیغم[2] ـــــ مسز پرل بک کے ایک طویل دلچسپ افسانہ کو سعیدہ مظہر نے "ضیغم" کے نام سے اُردو داں طبقہ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ افسانہ دلپذیر ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ میں اصل کی خوبیاں باقی رہیں۔

متفرق

دختران صحرا[3] از اقبال خانم ـــــ اس کا پس منظر عربستان ہے۔ اس میں ایک خاموش محبت کی داستان بیان کی گئی ہے لیکن مصنفہ کامیاب نہ ہوسکیں۔ طرز بیان نہایت بے مزہ قصۂ شیریں فرہاد سے ملتا جلتا ہے ۱۹۳۶ء میں طبع ہوا۔ مگر ابتدائی زمانے کا ناول معلوم ہوتا ہے۔

ماہِ درخشاں[4] از بیگم احمد علی کا ایک مذہبی ناول ہے اس میں تبلیغ اسلام کی حمایت کی ہے۔ زبان سلیس اور عام فہم ہے۔

موہنی[5] ـــــ یہ صغرا ہمایون مرزا کا ناول ہے۔ اس میں قصّے کے پیرایہ میں ایرانی رسم و رواج و معاشرت کو بیان کیا ہے۔ غیر ملک کے رسم و رواج کے متعلق اُردو ادب میں یہ پہلی کوشش ہے۔ اچھوتے موضوع پر قلم اُٹھایا۔

---

[1] دارالاشاعت پنجاب لاہور سے طبع ہوا۔ [2] باہتمام عروج کونڈوری حیدرآباد دکن میں طبع ہوا۔ [3] باہتمام تاج کمپنی لاہور [4] حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی۔ [5] عصمت بک ڈپو سے طبع ہوا۔

یادِ رفتگاں[1] ہمشیرہ عشرت حسن کا ناول ہے۔

زنانہ ناولوں کی خصوصیات

۱۔ زبان سلیس عام فہم واقعات سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔
۲۔ خواتین کہانی کو کامیاب بنانے میں واقعات کا سہارا ڈھونڈھتی ہیں۔ یعنی پلاٹ کی جاذبیت کو مدنظر رکھتی ہیں۔
۳۔ اکثر ناولوں میں اخلاقی اور ناصحانہ رنگ پایا جاتا ہے۔
۴۔ افراد قصہ دولتمند۔ شائستہ۔ مہذب۔ تعلیم یافتہ اور بالعموم اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔
۵۔ بالعموم سب ناول نویس خواتین حسن و عشق کی تفصیلات سے گریز کرتی نظر آتی ہیں۔ بعد از دواج "محبت" تمام ناولوں میں دکھائی جاتی ہے۔
۶۔ کردار نگاری میں فرشتوں کو مات کرتے ہیں۔ ان کی کمزوریاں نہیں دکھائی جاتیں۔ اس طرح تصویر کا صرف ایک رُخ پیش کیا جاتا ہے۔
۷۔ ناولوں کی ٹیکنک کسی قدر کمزور ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات مصنفات پلاٹ کو پورا کرنے میں فوق الفطرت کرشموں۔ گنڈے۔ تعویذ۔ سحر وغیرہ کا سہارا لیتی ہیں۔

---

[1] ادریس المطابع دہلی۔

افسانے

۱۔ چار رُخ ۔	انیس فاطمہ
۲۔ شہیدِ وفا ۔	امت الوحی
۳۔ نیرنگ ۔	رفیعہ امیر کرمانیہ
۴۔ گلستاں خاتون ۔	خاتون اکرم
۵۔ دولت پر قربانیاں ۔	حمیدہ بیگم اور آمنہ نازلی
۶۔ پنج رنگ ۔	و ۔ ب ۔ سدید
۷۔ میری ناتمام محبت ۔	حجاب امتیاز علی
۸۔ لاش اور دیگر افسانے ۔	〃
۹۔ کاونٹ الیاس کی موت ۔	〃
۱۰۔ صنوبر کے سائے ۔	〃
۱۱۔ ممی خانہ ۔	〃
۱۲۔ تخفے ۔	〃
۱۳۔ بانسری کی آواز ۔	راحت آرا بیگم
۱۴۔ پریمی ۔	〃
۱۵۔ شب کی پکار ۔	〃
۱۶۔ غنچہ ۔	〃

۱۷۔ باغی لڑکی ۔	شفیق بانو شفق
۱۸۔ رضیہ کے افسانے ۔	رضیہ سلطانہ دہلوی
۱۹۔ سوز و ساز ۔	محمودہ رضویہ
۲۰۔ مشک عود ۔	〃
۲۱۔ ہست و بود ۔	〃
۲۲۔ نمود و راز ۔	〃
۲۳۔ نقشِ اوّل ۔	صالحہ عابد حسین ۔
۲۴۔ سحرِ بنگال ۔	طاہرہ دیوی شیرازی
۲۵۔ ہچکیاں ۔	صدیقہ بیگم بیوہ ہاروی
۲۶۔ کلیاں ۔	عصمت چغتائی ۔
۲۷۔ چوٹیں ۔	〃
۲۸۔ عورت ۔	رشید جہاں
۲۹۔ درپن ۔	شکیلہ اختر
۳۰۔ پچھتاوا ۔	حمیدہ بیگم
۳۱۔ کھل ۔	خدیجہ مستور
۳۲۔ چرکے ۔	حاجرہ مسرور
۳۳۔ رفتارِ خیال ۔	جہاں بانو نقوی
۳۴۔ پنکھڑیاں ۔	شیریں
۳۵۔ لاشوں کا شہر ۔	بیگم عبدالقادر ۔

۳۶۔ صدائے جرس۔	بیگم عبدالقادر
۳۷۔ شبستانِ الم۔	زبیدہ سلطانہ
۳۸۔ لمحاتِ رنگین۔	"
۳۹۔ ساتھی اور دیگر افسانے۔	حمیدہ بیگم۔
۴۰۔ روشنی کے مینار	جیلانی بانو
۴۱۔ ایک بات۔	عصمت چغتائی
۴۲۔ ہائے اللہ۔	خدیجہ مستور
۴۳۔ سازِ ہستی۔	صالحہ عابد حسین۔
۴۴۔ پلکوں میں آنسو۔	صدیقہ بیگم
۴۵۔ نشیمن۔	نسیم سلیم چھتاری
۴۶۔ کسک۔	"
۴۷۔ آنکھ مچولی۔	شکیلہ اختر
۴۸۔ بوچھار۔	حاجرہ مسرور۔
۴۹۔ آتش فشاں	شفیق بانو شفق
۵۰۔ جل ترنگ	زینت ساجدہ
۵۱۔ کچے دھاگے	رفیعہ سلطانہ

افسانہ

بیسویں صدی کی ابتدا میں اُردو اخبارات اور رسائل کی ترویج سے مختصر قصوں کی مانگ بڑھ گئی۔ خواتین نے بھی اس وقت سے افسانوں کی

طرف توجہ کی جس وقت سے نسوانی رسائل چھپنے لگے، انیسویں صدی کے اوائل کی مضمون نگار خواتین مثلاً محمدی بیگم۔ طیبہ بیگم۔ نذر سجاد حیدر وغیرہ نے مختصر طویل افسانے لکھے جنھیں ہم نے ناول میں شمار کیا۔ ناول کے بعد افسانو کا دَور شروع ہوا۔

خواتین کی افسانہ نگاری کو ہم مندرجۂ ذیل عنوانوں کے تحت دیکھیں گے۔

۱۔ غایت ۔ ۲۔ موضوع ۔

۳۔ کرِدار نگاری ۔ ۴۔ اسلوبِ بیان ۔

پروفیسر مجنون گورکھپوری اپنی کتاب "افسانہ" میں افسانہ کی غایت تفریح گردانتے ہیں۔ لیکن خواتین کے افسانوں کا مقصد تفریح کے ساتھ اصلاح بھی ہے۔ ان کا پیغام ان کے افسانوں کی افسانوی خصوصیت پر چھایا رہتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی افسانے اسی طرز کے حامل ہیں۔

موضوع ـــــ اس کے علاوہ خواتین نے افسانے کے لیے جن واقعات کا انتخاب کیا ہے وہ زمانہ اور معاشرت کے میلانات کے اعتبار سے بعید از قیاس نہیں ہیں۔ بعض افسانوں میں بے پردگی کی بُرائیاں ہیں۔ کہیں تعددِ ازدواج کی خرابیاں ہیں۔ کہیں ساس بہو کے تعلقات کو مؤثر پیرائے میں پیش کیا ہے، غرض افسانوں کے موضوع بالکلیہ داخلی ہیں۔

کرِدار نگاری ـــــ تیسری چیز افسانوں میں کردار نگاری ہے۔ پروفیسر مجنون گورکھپوری نے کرِدار نگاری کی دو قسمیں بتائی ہیں:۔

(۱) تمثیلی یا ترکیبی (۲) توصیفی یا تحلیلی

(۱) تمثیلی کرِدار نگاری سے شاید پروفیسر موصوف کا مطلب ان کرداروں سے ہے جن کو مصنف خود روشناس کراتا ہے۔ یعنی وہ ان کے عادات و اطوار اور اخلاق کی تفصیل بیان کرتا ہے۔
(۲) توصیفی یا تحلیلی۔ اس میں کردار کو پیش کرنا مصنف کا کام ہے۔ اس کی اچھائی بُرائی یا کمزوری کے متعلق حکم لگانا ناظر کا کام'۔ خواتین کی اکثریت کو تمثیلی کردار نگاری مرغوب ہے۔ وہ قصّے کی ابتدا میں کرِدار کو روشناس کر دیتی ہیں۔

اسلوبِ بیان ـــــ افسانہ کا چوتھا بڑا عنصر اس کا اسلوب ہے۔ جس میں زبان انداز بیان۔ سوز و گداز طنز و تمسخر سب ہی کچھ آجاتے ہیں۔ خواتین کا اسلوب سادہ سلیس نکھرا ہُوا ہے۔ عبارت میں شعریت ہوتی ہے۔ عورتیں اس بات کو کبھی نہیں بھولتیں کہ وہ تہذیب و تمدّن کی علمبردار ہیں۔ ان کا کام اخلاق و معاشرت کو سنبھالنا اور سنوارنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کی تحریروں میں عُریانی، بیباکی اور بے شرمی نہیں۔

H.G. Wells اور Galsworthy کی طرح وہ اپنے افسانوں میں تمدن اور ہیئتِ اجتماعی کے مسائل لے کر اُٹھتی ہیں۔ خواتین کے لکھے ہوئے افسانوں کی یہ عام اور مشترک خصوصیات تھیں۔ افسانوں کے مجموعے پر فرداً فرداً نظر ڈالنے کے لیے ان کی تقسیم ضروری ہے۔ لیکن افسانوں کی تقسیم بہت مشکل ہے۔ افسانے زندگی کی تصویر ہیں۔ اور زندگی ہی کی طرح

رنگا رنگ اور متنوع ۔ ہر وقت وہ برنگِ دیگر جلوہ دکھاتے ہیں مجموعی طور پہ اس کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں ۔

(۱) افسانہ جو زندگی کی عکاسی کرتا ہے (حقیقی)

(۲) افسانہ جو زندگی سے گریز کرتا ہے (تخیلی یعنی ادب برائے ادب کے نظریے کا حامل)

(۳) افسانہ جو زندگی کا تجزیہ کرتا ہے (اصلاحی)

اِصلاحی افسانے

مندرجۂ ذیل مجموعے افسانوں کی اس شاخ میں شامل ہیں جو زندگی کا تزکیہ کرتی ہے ۔

۱۔ نیرنگ ۔ ۲۔ پنج رنگ ۔ ۳۔ چاررُخ ۔ ۴۔ شہیدِ وفا ۔
۵۔ دولت پر قربانیاں ۔ ۶۔ گلستان خاتون ۔ ۷۔ فیروزہ ۔
۸۔ غیرت کی پُتلی وغیرہ ہیں ۔

چاررُخ[1] میں انیس فاطمہ کے چار افسانے شامل ہیں ۔ یہ ہندوستانی عورت کی زبون حالی کے مرقعے ہیں ۔ ان افسانوں میں مافوق الفطرت عنصر کو شامل کیا گیا ہے ۔ یعنی چار روحوں کی زبانی یہ چار داستانیں کہلوائی گئی ہیں ۔ زبان صاف ہے طرزِ ادا میں دلکشی ہے ۔ افسانوں کی ٹیکنک کمزور ہے ۔

---

[1] مطبوعہ عصمت بک ڈپو دہلی ۔

نیرنگ[1] ۔ ایس۔ آر۔ کے (رفیعہ امیر الدین) کے ۱۳ دلکش و دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اصلاح کی کونین کو افسانے کی شکر میں لپیٹ کر پیش کیا گیا ہے۔ افسانے معاشرتی دلچسپیوں کے حامل ہیں مصنفہ نے نسوانی جذبات اور نسوانی خیالات کی عکاسی کی ہے۔ گھریلو زندگی کی کلفتوں راحتوں اور نفسِ انسانی کے خیر و شر کو سلیس انداز میں تحریر کیا ہے۔ زبان لطیف اور شُستہ ہے۔ ان کا پیغام افسانوں کی افسانوی خصوصیت پر چھایا ہوا ہے۔

پنج رنگ[2] و۔ب۔ سدید صاحبہ کے پانچ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ افسانے غیر ضروری طویل اور زبان میں غلطیاں ہیں۔ اس میں نہ تو اصلاح ہے نہ خالص ادب معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفہ خود نہیں جانتیں کہ افسانوں کو کس طرح ختم کریں۔ "شہر" حقوقِ نسوان کی حمایت میں لکھا گیا ہے۔ یہ رمزیہ مضمون Allegory ہے۔ جسے خواب کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

دولت پر قربانیاں[3] ۔ اسے آمنہ نازلی و حمیدہ بیگم نے مِل کر ترتیب دیا ہے۔ اس میں سات مختلف خواتین کے سات افسانے شامل ہیں۔ نفسِ مضمون ایک ہی ہے۔ یعنی غلط ازدواج، دولت کی خاطر جو شادیاں کی جاتی ہیں۔ ان کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ساتوں افسانے مؤثر اور نتیجہ خیز ہیں۔

---

[1] مطبوعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ۔ [2] مطبوعہ مکتبہ ریلوے روڈ لاہور۔
[3] ۔ عصمت بک ڈپو دہلی۔

شہید وفا[1] از امتہ الوحی ـــــ اس میں امتہ الوحی کے نودل آویز افسانے شامل ہیں۔ جس میں ہندوستانی عورت کی وفاداری اور ایثار کو واضح کیا ہے۔ اس پر تہذیب، انقلاب وغیرہ نے شاندار ریو و کئے ہیں۔

گلستان[2] خاتون از خاتونِ اکرم ـــــ اس میں خاتونِ اکرم کے نتیجہ خیز اور دلکش افسانے شامل ہیں۔

فیروزہ[3] از جمیلہ بیگم کلکتہ ـــــ ایک دولت مند لیکن یتیم و یسیر لڑکی کی عبرت ناک داستانِ حیات بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔

تخیلی افسانے خواتین نے بہت کم لکھے۔ ان کے پاس واقعات اتنے تھے کہ "تخیل" سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی تخیلی افسانوں میں خواتین نے اپنا زورِ قلم دکھایا ہے۔ اس خصوص میں حجاب امتیاز علی اور بیگم عبدالقادر کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

حجاب امتیاز علی افسانہ نگاری کے ایک نئے اسکول کی بانی ہیں۔ ان کے افسانے تخیل اور واقعہ کے دلکش امتزاج کا بین ثبوت ہیں۔

---

[1] مطبوعہ عصمت بک ڈپو دہلی۔
[2] ؍؍
[3] ؍؍

افسانہ کا مرکزی خیال زندگی کا بنیادی جذبہ محبت ۔ نفرت وغیرہ ہوتا ہے۔ جسے وہ اپنے تخیل سے جان دار اور دلکش بنا دیتی ہیں ۔ اندازِ بیان رومانوی ہوتا ہے۔ ان کی تحریریں ان ہی کے قول کے مطابق مشرقی ممالک کے گرم آفتاب کی سی نزہت ہے ۔ یہ ان چند "صاحبِ طرز" خواتین میں سے ہیں۔ جن کے اسلوب کو کوئی اپنا نہ سکا ۔ ہر افسانے میں انفرادیت نمایاں ہے۔ گہرا مشاہدہ ۔ جذبات انگیز جملے ۔ شعریت افزا الفاظ ان کی خصوصیات ہیں ۔ ان کی تحریریں دل کی گہرائیوں میں لطیف ارتعاش پیدا کرتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا آرٹ اپنی جگہ مکمل ہے ۔ ترقی پسندی کی "رو" نے بہت سے لکھنے والوں کو پیچھے ڈال دیا۔ لیکن حجاب جس قلمرو کی مالک ہیں اس پر کوئی قبضہ نہ کر سکا ۔ ان کے افسانے اب بھی اسی دلچسپی اور شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ جیسے ابتداء میں پڑھے جاتے تھے۔ افسانوں کے کئی مجموعے طبع ہوئے جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ میری ناتمام محبت ۔ ۲۔ تحفے[1] ۔
۳۔ لاش اور دیگر افسانے ۔ ۴۔ کاونٹ الیاس کی موت ۔
۵۔ صنوبر کے سائے ۔ ۶۔ ممی خانہ ۔

ممی خانہ[2] ـــــ حجاب امتیاز علی کے سات ہیبت ناک افسانوں کا مجموعہ ہے ۔ اس میں حجاب کا مخصوص طرزِ بیان جھلک رہا ہے ۔

---

[1] "تحفے" شگفتہ افسانوں کا مجموعہ ہے اس لیے اس کا ذکر مزاح نگاری میں کیا گیا ۔
[2] مطبوعہ ساقی بک ڈپو دہلی ۔

"ممی خانہ میں ایک رات" ۔ کہنا بوت کے آسیب زدہ جنگل، وغیرہ خاص افسانے ہیں۔ حجاب کے افسانوں کا یہ بالکل جدید مجموعہ ہے۔ لیکن حیرت کے قابل یہ بات ہے کہ حجاب کے اسلوب میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ طرز وہی ہے جو اوّلین مجموعے کی اشاعت کے وقت تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاب کا قلم خاص طور سے منجھ گیا ہے۔ اس میں کہیں نشیب و فراز نہیں۔

لاش[1] اور دیگر افسانے ـــــ اس میں ان کے چھ پُراسرار افسانے شامل ہیں۔ یہ اس کا موضوع رومان اور اس کی تباہ کاریاں ہیں۔ اس مجموعے کا پہلا افسانہ "لاش" خاص اہمیت کا ہے۔ محبّت اور نفرت کا دل دوز تمثیل ہے۔ لیکن مرکزی خیال کی ہیبت ناکی کو مصنّفہ کے دِلکش طرزِ بیان نے محسوس نہیں ہونے دیا۔ مصوّر فیروزی کا کردار بجائے نفرت انگیز ہونے کے قابلِ محبت بن گیا۔ یہ حجاب کی زبردست کردار نگاری کا ثبوت ہے۔

میری[2] ناتمام محبّت ـــــ اس میں حجاب کے چار طویل افسانے شامل ہیں۔ جس میں پہلا افسانہ "میری ناتمام محبّت" اور آخری "نارنگی کی کلیاں" رقت انگیز اور دردناک ہیں۔ میری ناتمام محبّت کافی مؤثر ہے۔ مشرقی محل کی پُرشوکت فضا میں محبّت کا یہ زبردست حزنیہ کھیل کھیلا جاتا

---

[1] مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور)

[2] " " " سنہ ۱۹۳۲ء میں طبع ہوا۔

ہے۔ کیپٹن فکری کی روحی سے محبت ۔ روحی کی بچپن کی معصوم بے لوث محبت آخر میں ان کی جُدائی نہایت دردناک ہے۔ افسانے کی ٹیکنک بلند پایہ ہے۔ دو وقت افسانہ اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ ابتدا، میں اور دورانِ واقعات میں روحی اور فکری کی آخری ملاقات کا سین بہت جذباتی ہے۔ چاروں افسانے کامیاب ہیں جن میں سے دو افسانوں نادیدہ عاشق اور ماہرینِ فن میں مزاح کا رنگ غالب ہے۔

کاونٹ الیاس کی موت ـــــ ان کے افسانوں کا اس مجموعے میں بھی ان کی تحریر کی سابقہ خصوصیات قائم ہیں۔ کاؤنٹ الیاس کی موت سب میں دلکش افسانہ ہے۔

صنوبر کے سائے اور دیگر رومان ـــــ اس مجموعے میں حجاب کے رومانی دل گداز افسانے شامل ہیں۔ "صنوبر کے سائے" ایک غریب ملاح کی داستانِ محبت ہے۔ محبت و رقابت۔ حسرت و غم کے جذبے بڑی خوبی سے سموئے گئے ہیں۔ بقیہ افسانے رومانی ہیں۔ اس میں بھی حجاب کا مخصوص طرز جھلک رہا ہے۔

سجاد حیدر یلدرم نے حجاب کے متعلق بالکل ٹھیک لکھا کہ

> "حجاب امتیاز علی نے ایک نئی دُنیا خلق کی ہے۔ اور اس دُنیا میں ایک نئی اور دلکش مخلوق آباد ہے۔ نیز یہ کہ ان کے افسانے محض لڑکیوں کے لیے نہیں ہوتے۔ وہ سب کے لیے ہیں۔ ان کی تحریر یہ بتاتی رہی ہے کہ یہ ایک ذکی الحس خاتون کے خامہ عنبر شمامہ

کی تحریر ہے۔"

واقعہ ہے کہ حجاب کا اسلوبِ تحریر سب میں جدا ہے۔ ان کے افسانے کبھی پرانے نہیں ہوتے بار بار پڑھ کر بھی ہر مرتبہ نیا لطف آتا ہے۔ یہ ان کے آرٹ کا کمال ہے۔

تخیلی افسانوں ہی میں بیگم عبد القادر کے مجموعوں "صدائے جرس" اور "لاشوں کا شہر" کا شمار ہے۔

صدائے جرس[1] اور دیگر افسانے از بیگم عبد القادر ـــــ اس میں کل آٹھ افسانے ہیں۔ جو ادب برائے ادب کے نظریے کے مظاہر ہیں ناشر صاحب نے بالکل ٹھیک لکھا کہ :۔

"ان کے افسانے اصلاحی لائحہ عمل پیش نہیں کرتے۔ آرٹ کے نقطۂ نظر سے وہ بالکل مکمل ہیں۔ کوئی صاحبِ ذوق ان سے ذہنی تفریح حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان میں عریانی کے فقدان کے باوجود حد درجہ جاذبیت اور تاثیر پائی جاتی ہے۔"

ہندوستان میں یہ پہلی تو نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے افسانے خواتین نے بہت کم لکھے۔ بیگم عبد القادر نے جو بھی لکھا اچھا لکھا۔ افسانوں میں جدت ہے۔ گو موضوع ایک ہے اس کے باوجود پلاٹ میں یکسانی نہیں۔ جنوں، بھوتوں کا شمول نہیں کیا گیا نہ بالکل بعید از قیاس ہیں۔ ایسے واقعات ہیں جو ہندوستان کے دیہاتوں قصبوں میں بالعموم سُننے اور دیکھنے میں آتے

---

[1] فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور میں شائع ہوا۔ اُردو بک اسٹال لاہور سے مل سکتا ہے۔

ہیں۔ زبان صحیح اور شُستہ ہے۔ بیان سادہ اور سلیس ہے۔ مصنفہ اپنے رنگ میں بے حد کامیاب ہیں۔ افسانوں کی مقبولیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ شوکت تھانوی نے "مطالعہ" کے عنوان سے ماہنامہ "کتاب" میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں ہر ایک افسانے پر علٰحدہ علٰحدہ نوٹ لکھا ہے۔ شوکت تھانوی لکھتے ہیں:۔

"مسز عبدالقادر کے افسانوں کو اگر عقل کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے تو عقل بجائے خود بھی نظر آتی ہے اور انسان یہی سوچتا رہ جاتا ہے کہ افسانے میں جو کچھ ہوا وہ کیونکر ممکن ہے۔ اگر نہیں ممکن ہے تو افسانہ کی دلچسپی کیونکر قائم ہے۔"

شوکت تھانوی بھی مصنفہ کی بلا کی افسانوی صلاحیت کے قائل نظر آتے ہیں۔

لاشوں کا شہر از بیگم عبدالقادر ـــــ اس مجموعے میں آٹھ افسانے شامل ہیں۔ ۱۹۴۴ء تک اس کے پانچ ایڈیشن نکل چکے۔ یہ دلکشی اور دلچسپی میں "صدائے جرس" بڑھا ہوا ہے، ناشر نے دیباچے میں بالکل ٹھیک لکھا کہ:۔

"بیسویں صدی کی اس تمام عقل پرستی کے باوجود انسان کو اب تک اَن دیکھی چیزوں سے خوف اور ان کا شوق باقی ہے۔ مادیت کے شور و غل کے ساتھ ساتھ حسن و محبت کی

باتیں ہنوز اس کے دل میں شورش برپا کرتی ہیں۔ سیر و
سیاحت کا چسکا اب تک انسان کو اُبھارتا رہتا ہے۔"

طرزِ تحریر دلچسپ ہے۔ افسانوں میں مصنفہ کرداروں کی زبانی واقعات بیان کراتی ہیں۔ جس سے جاذبیت بڑھ جاتی ہے۔ معلم کا راز۔ گلنار۔ زیتون وغیرہ کافی سے زیادہ دلچسپ افسانے ہیں۔ ایک افسانے "آوارگوں" میں مصنفہ نے جہنم کی تصویر کھینچی ہے۔ یہ تصویر بالکل مکمل ہے، اور اس سے آرٹسٹ کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ شوکت تھانوی نے اس مجموعے پر ماہنامہ "کتاب" میں نوٹ لکھا ہے۔ جو اختتامیہ کے عنوان سے پانچویں ایڈیشن کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔ ان کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ "راہبہ" زیرِ طبع ہے۔ وہ خود اپنے افسانوں کے متعلق لکھتی ہیں:۔

"میرے افسانے زیادہ تر آوارگوں کے مسئلے[1] پر روشنی ڈالتے ہیں۔ میں نے کبھی قصداً یا ارادتاً افسانہ نہیں لکھا۔ اس وقت لکھتی ہوں جب افسانہ مجھے مجبور کر دیتا ہے۔"

پنکھڑیاں[2] از شیریں ——— یہ رومانی افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جس کا انتساب مصنفہ نے رسالہ "رومان" کے نام کیا ہے۔ اس میں شیریں کے گیارہ افسانے شامل ہیں۔ جس کا دیباچہ قیس رامپوری نے لکھا۔ قیس نے بالکل ٹھیک لکھا کہ:۔

"ان میں افسانہ نگاری کی فطری صلاحیت ہے۔"

---

[1] شاعر افسانہ نمبر [2] کتب خانہ علم و ادب دہلی نے ۱۹۴۴ء میں طبع کروایا۔

ان کے افسانے فکر و احساس کی پیداوار ہیں۔ آرٹسٹ کا گہرا مشاہدہ اور ادراک زندگی کے معمولی واقعہ کو خاص نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی مثال ان کا پہلا افسانہ "دیس کا راج" ہے۔ اس میں ایک غریب دیہاتی کی زندگی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ کامیاب نفسیاتی مطالعہ ہے۔ پلاٹ صرف ایک دیہاتی کے گرد گھومتا ہے جو ایک کنوئیں کا مالک ہے۔ وہ راہروں کو پانی پلاتا ہے۔ اتفاق سے ایک فیشن ایبل جوڑا اس کی کٹیا پر ٹھیرتا ہے۔ ایک مرد اور عورت، وہ عورت اس کی دھنی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ دیہاتی مسافروں کو سیراب کرتا ہے لیکن خود اس کی روح تشنہ ہو جاتی ہے۔ جوڑا اس کے احساسات سے بے خبر کہ کس طرح انھوں نے ایک غریب کا سکون و اطمینان لوٹ لیا گزر جاتا ہے۔ اس میں مصنفہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ غریب۔ امیر۔ شہری۔ دیہاتی سب انسان ایک سے ہوتے ہیں۔ وہی دو ہاتھ دو پیر دل و جگر کے مالک لیکن سماجی نظام نے ان میں کتنا بعد پیدا کر دیا۔ اس خاتون کے حصول کی تمنا اس کے لیے اتنی ہی ناممکن ہے۔ جتنی آسمان سے چاند توڑ لینے کی خواہش۔

"یہ شملہ ہے" کڑوا طنز ہے۔ "محبت" پلاٹ کے اعتبار سے ایک کامیاب افسانہ ہے۔ جس میں افلاطونی محبت کی تشریح کی ہے۔ "نیلوفر" مناکحت بلاسن و سال کا دل دوز خاکہ ہے۔ شیریں کی زبان شیریں اور مؤثر ہے۔ وہ اپنے اسلوب نگارش میں قنوطی نظر آتی ہیں لیکن اسی قنوطیت نے ان کے افسانوں کو حسن بخشا ہے۔ قیس نے

دیباچہ میں ٹھیک لکھا کہ :-

"وہ ہر قسم کے افسانے کامیابی کے ساتھ لکھ لیتی ہیں۔ کہیں وہ شبستانِ محبت میں نغمہ زن نظر آتی ہیں تو کہیں خار زار زندگی میں ان کی دردناک چیخ سُنائی دیتی ہے۔"

ان کا خود اپنے افسانوں کے متعلق یہ خیال ہے[1]۔

"میرے افسانے میرے احساسات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور میرے احساساتِ زندگی کی تلخیوں سے بھرپور۔ میرے نزدیک وہی افسانہ افسانہ ہے جو حقیقت سے قریب ہو یہی اصلی ترقی پسندی ہے۔"

رفتارِ خیال[2] از جہاں بانو نقوی ام۔ اے (عثمانیہ) ـــــ یہ جہاں بانو کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے بعض مترجمہ اور بعض طبع زاد ہیں۔ تحریر کی خوبی سے جہاں بانو کے ترجمے بھی طبع زاد معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں بانو کا یہی ایک مخصوص اسلوب ہے۔ دلفریبی اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہے۔ افسانوں کے مرکزی خیال زیادہ بلند پایہ نہیں لیکن طرزِ بیان کی خوبی نے انھیں قابلِ مطالعہ بنا دیا ہے۔ غالب کے اشعار جہاں بانو بڑی خوبی سے استعمال کرتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غالب نے یہ شعر اسی موقع کے لیے کہا ہے۔ وہ اپنی تحریر میں فارسی ہندی عربی استعمال کرتی ہیں۔ انھوں نے "ٹیگور" کے افسانے "گڑیاں"

۲؎ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

عمدگی سے کیا ہے کہ ترجمہ اصل معلوم ہوتا ہے، کتاب میں تصاویر بھی شامل کیے گئے ہیں۔

معاشرتی افسانے

یعنی ایسے افسانے جو زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند اسی قسم کے افسانوں کے مجموعوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ نقشِ اوّل ۔ ۲۔ لمحاتِ رنگین ۔ ۳۔ شبستانِ الم۔
۴۔ بانسری کی آواز۔ ۵۔ پریمی ۔ ۶۔ شب کی پکار۔
۷۔ غنچہ ۔ ۸۔ باغی لڑکی۔ ۹۔ سوز و ساز۔
۱۰۔ رضیہ کے افسانے۔ ۱۱۔ مشک و عود۔ ۱۲۔ ہست و بود۔
۱۳۔ نمود و راز۔

نقشِ اوّل[1] مصنفہ صالحہ عابد حسین ـــــ اس میں صالحہ عابد حسین کے چھ ڈرامے[2] اور چھ افسانے شامل ہیں۔ صالحہ عابد حسین کے افسانوں میں جاذبیت ہوتی ہے۔ ان کے افسانوں میں بعد از ازدواج محبت دکھائی جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کے نشیب و فراز اس کی دلچسپیاں نامرادیاں ہندوستانی معاشرت میں عورت کی حالت ان کے افسانوں کے موضوع ہیں۔ کہیں کہیں اصلاح کا رنگ بھی چھلکتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

---

[1] مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ہند۔
[2] ان کے ڈراموں پر ڈرامہ نگاری میں تنقید کی گئی ہے۔

"انسان کی زندگی بہت سے واقعات اور حالات سے بھری پڑی ہے۔ جس میں قصّوں اور افسانوں کے لیے کافی سامان موجود ہے۔ نظر اور تخیل شرط ہے۔ اس کے ساتھ بیان کا سلیقہ بیگم عابد حسین میں یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔"

ان قصّوں کی زبان سادہ ہے۔ بعض جگہ نئی اور پُرانی تہذیب کی ٹکر ہو جاتی ہے۔ ان کا تقابل بڑا لطف دیتا ہے۔ ان کا دوسرا مجموعہ "سازِ ہستی"[1] زیرِ طبع ہے۔ "شاعر" کے ۱۹۴۶ء کے افسانہ[2] نمبر میں وہ خود اپنے افسانوں کے متعلق لکھتی ہیں:۔

"میں صرف یہ کوشش کرتی ہوں کہ میرے افسانے کے پس منظر میں ہماری زندگی کا کوئی معاشرتی یا اقتصادی یا اگر ہو سکے تو اس کا حل موجود ہو۔"

لمحاتِ رنگین[3] از زبیدہ سلطانہ اڈیٹر شباب اُردو ـــــ یہ زبیدہ سلطانہ کے پندرہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو پنجاب بک ڈپو کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کا دیباچہ جمیلہ بیگم بی۔ اے بنتِ نورابی نے تحریر فرمایا ہے۔ افسانوں میں زیادہ جاذبیت اور دلکشی نہیں۔ نہ تو یہ زندگی ہی کی صحیح عکاسی کرتے ہیں نہ اعلیٰ تخیل کی پیداوار ہیں۔ بعض افسانے بالکل معیار سے گرے ہوئے ہیں۔

---

[1] میری استدعا، پر محترمہ رابعہ سلطانہ صاحبہ بابو پوری نے از راہِ کرم صالحہ عابد حسین کے حالات روانہ فرمائے ہیں جو محترمہ نے خود بھجوائے تھے اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ناول بھی لکھ رہی ہیں۔

[2] رسالہ شاعر آگرہ کا افسانہ نمبر۔

جیسے "طالب علم شاعر" اکثر افسانے انگریزی افسانوں سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ بعض افسانوں کے کردار انگریز ہیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ مترجمہ ہیں یا طبع زاد۔ پلاٹ نئے نہیں۔ ایک افسانہ "آئینہ" کی ہیروین ایک اندھی لڑکی ہے۔ مصنفہ اس کے احساسات کی ترجمانی اچھی طرح کر سکتی تھیں لیکن بالکل معمولی طریقے سے قصہ ختم کیا ہے۔ ہر ایک افسانے کو غالب کے شعر سے شروع کیا ہے۔ لیکن افسانوں میں نہ غالب کی سی علو خیالی ہے نہ رفعتِ تخیل۔ پھر بھی اس وجہ سے قابل مطالعہ ہیں کہ زبان سلیس اور جذبات پاکیزہ ہیں۔ انھیں پڑھنے سے وقت اچھی طرح گزر جاتا ہے۔ ان ہی کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ شبستانِ الم ہے۔

شبستانِ الم از زبیدہ سلطانہ ـــــ اس میں زبیدہ سلطانہ کے دس المناک افسانے شامل ہیں۔ موصوفہ نے اسے اپنے مرحوم بھائی کے نام معنون کیا ہے۔ اس میں پیش لفظ کے تحت زبیدہ سلطانہ نے اپنے افسانوں کی شان نزول بیان کی ہے۔ یہ مجموعہ پہلے مجموعے سے بہتر ہے۔ بہ لحاظ زبان جذبات اور ٹیکنک افسانے بلند پایہ ہیں۔ بعض افسانے کافی موثر ہیں جیسے "شکستہ دل"۔ "نائب" وغیرہ۔ اس میں زبیدہ سلطانہ کا اسلوب بھی پختہ نظر آتا ہے اور افسانوں میں بھی پختگی اور دلکشی ہے۔ "ناگوں کا جوڑا" گو ایک تخیلی افسانہ ہے لیکن دماغ پر ایک دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔ "مغنیہ" کامیاب مترجمہ ہے۔

۱؎ پنجاب آرٹ پریس سے چھپوا کر مکتبۂ اردو لاہور سے شائع کیا گیا۔

سوز و ساز ۱۹۴۲ء مصنفہ آنسہ محمودہ رضویہ[1] ـــــ بارہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ چند افسانوں کے شروع میں مصنفہ نے تعارفی نوٹ لکھی ہیں۔ ان افسانوں کو تخیلی افسانے کہا جاسکتا ہے۔ اس میں بھی ان کے تخیل نے ہندوستان کی غربت اور فاقہ کشی دکھائی ہے۔ بعض میں انسانی بالخصوص نسوانی فطرت کو بے نقاب کیا ہے۔ "انتقام" ان کا ایک ایسا ہی افسانہ ہے۔ جس میں ایک محروم محبت عورت اپنے بے وفا محبوب کو موت کے گھاٹ اتار کر ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہے۔ "آخری ہچکی" "حرمان نصیب" "زود پشیمان" غم انجام افسانے ہیں۔ یہ مصنفہ کے اوّلین افسانوں کا مجموعہ ہے جسے انھوں نے بحیرۂ عرب کی الھڑ موجوں کے نام معنون کیا ہے۔ ان الھڑ موجوں ہی کی طرح ان افسانوں میں الھڑپن ہے۔

ہست و بود ۱۹۴۳ء از محمودہ رضویہ ـــــ سولہ معاشرتی اخلاقی افسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ بھی سابقہ کتاب کی طرح دارالاشاعت انجمن ترقی اُردو کراچی کی جانب سے طبع ہوا۔ محمودہ رضویہ معاشرتی اور تخیلی ہر دو قسم کے افسانے لکھتی ہیں۔ تخیلی افسانوں میں وہ بیگم عبدالقادر اور حجاب امتیاز علی کی طرح کامیاب نہیں۔ "روح کی ملاقات" ان کے اکثر تخیلی افسانوں

---

[1] راقمہ نے محمودہ رضویہ کو خط لکھا تھا۔ جس میں آپ نے اپنی جملہ تصانیف کے نام اور اپنے مفصل حالات رقم فرمائے ہیں۔ مصنفہ کم عمری میں کثیر تصانیف کی مالکہ بن گئیں۔ ابھی ان کا دور طالب علمی کا ہے۔ ان کی تصانیف درخشاں مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ کراچی سندھ کی رہنے والی ہیں۔ وہاں آپ کے والد تجارت کرتے ہیں۔ سیاحت کا شوق ہے۔ عراق وغیرہ گئی ہیں۔ اپنا سفر نامہ دنیائے شہزاد کے نام سے طبع کروایا۔

کا موضوع ہے۔ بعض افسانے زندگی کی اچھی عکاسی کرتے ہیں۔ اس مجموعے میں چوڑیاں۔ یادگار۔ ایثار کی دیوی وغیرہ اچھے افسانے ہیں۔ چوڑیاں ہندوستان کی غربت اور فلاکت کی دل دوز تصویر ہے۔ ایثار کی دیوی میں ہندوستانی عورت کی وفا دکھائی گئی ہے۔ اس کا انتساب "دخترِ ہند" کی بے زبانی کے نام کیا ہے۔ اس لیے اس میں زیادہ افسانے عورت کی بیچارگی کے متعلق ہیں۔

مشک وعود ۱۹۴۳ء از محمودہ رضویہ ـــــ پندرہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ مصنفہ نے مظلوم کے جذبۂ انتقام کے نام اس کا انتساب کیا ہے۔ بعض افسانے "سڑک بن رہی تھی"۔ "شکست" "اعتراف" "پندار" وغیرہ کافی دلچسپ ہیں۔

نمود وراز ۱۹۴۴ء از محمودہ رضویہ ـــــ سترہ دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا انتساب زندگی کی چبھتی ہوئی حقیقت کے نام ہے۔ واقعی اس میں زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ طرزِ بیان میں پختگی اور موضوعات میں دلکشی ہے۔ اس میں ان کا مشاہدہ عمیق ہے۔ "ولے بخیر گزشت" "اس کی موت کی وجہ" "سلمیٰ" دلچسپ معاشرتی مطالعے ہیں۔ "سماج کی ہار"۔ "تانگے والا" وہ حقائق ہیں جو روزانہ نظروں کے سامنے گزرتے رہتے ہیں۔ اس میں صرف ایک افسانہ "خون آشام درخت" تخیلی ہے۔ محمودہ رضویہ صاحبہ غیر شعوری طور پر حجاب سے متاثر نظر آتی ہیں۔ ان کا خود اپنے افسانوں کے متعلق یہ خیال ہے:۔

"میرا فسانے طبقہ نسوان کی بے بسی۔ مَردوں کے ان پر
مظالم سرمایہ داروں کی چیرہ دستی اور مفلسی کی چیدہ دستی
پر گہرا طنز کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرتی اور رُوحانی تکان بھی
ان میں ہوتے ہیں غرض وہ ہر جہتی ہوتے ہیں۔"

پریمی[1] از راحت آرا بیگم ـــــ راحت آرا بیگم کے چار افسانوں کا مجموعہ ہے۔ مصنفہ کلکتہ کی رہنے والی ہیں۔ ان کے افسانوں میں زبان اور بیان کے اعتبار سے کوئی خاص جدّت نہیں۔ حکیم یوسف حسن نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ان میں سے بعض ترجمہ بھی ہیں۔ لیکن مصنفہ نے کہیں حوالہ نہیں دیا جس سے یہ پتہ چلانا دشوار ہو جاتا ہے کہ کونسا طبع زاد ہے اور کونسا مترجمہ۔ پہلا افسانہ "پریمی" سب میں غنیمت ہے۔ لیکن یہ بنگال کی مشہور مصنفہ سیتا دیوی کے ناول "آنسو" کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ پریمی میں بنگالی ہندو خاندان کی معاشرت دکھائی ہے۔ بقیہ تین "چندرا" "والی" اور "شب کو" ہیں۔ چندرا مؤثر افسانہ ہے اس میں مامتا کے جذبے کو دکھایا ہے۔ "والی" ایک پُرانی کہانی بالکل معمولی قصّہ ہے۔

بانسری[1] کی آواز از راحت آرا بیگم ـــــ چار افسانے شامل ہیں جس میں دو "جوئف بریلو" اور "محبت خدا سے ملاتی ہے" مترجمہ اور بقیہ دو طبع زاد معلوم ہوتے ہیں۔ بانسری کی آواز دلکش اف ہے۔

---

[1] باہتمام حکیم یوسف حسن فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپا

"جوئف بریلو" کی کردار نگاری غیر معمولی ہے۔ خصوصاً ہیروئین کا کردار بے مثل ہے۔ اس کتاب کا انتساب مصنفہ نے سر تیج بہادر سپرو کے نام کیا ہے۔ یہ افسانوی اُردو ادب میں اچھا اضافہ ہے۔

شب کی پکار از راحت آراء بیگم ـــــ اس میں راحت آراء کے ۱۴ افسانے شامل ہیں جس میں شب کی پکار سب میں دلکش ہے۔ یہ مجموعہ بقیہ مجموعوں سے بہتر ہے۔ راحت آراء کا کوئی خاص اسٹائل نہیں۔ نہ طرز میں پختگی ہے۔ بعض افسانے معیاری ہوتے ہیں اور بعض معیار سے گرے ہوئے۔

غنچہ از راحت آراء بیگم ـــــ اس میں مصنفہ کے چار افسانے شامل ہیں۔ زبان کی غلطیاں ہیں لیکن افسانے طبع زاد ہیں۔ انصاف ایک مؤثر افسانہ ہے۔ جس میں مصنفہ نے یہ بتایا ہے کہ گناہ مرد کرتا ہے اور خمیازہ عورت کو اٹھانا پڑتا ہے۔ سماج بھی عورت ہی کو بری نظروں سے دیکھتا ہے۔ حالانکہ مرد و عورت دونوں گناہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں لیکن عورت موردِ الزام بنتی ہے۔ بقیہ تین میں خاص جدت اور دلکشی نہیں۔ اس کا انتساب مصنفہ نے سلطان العلوم فرمانروائے دکن کے نام کیا ہے۔

باغی لڑکی[1] از شفیق بانو شفق ـــــ شفیق بانو شفق کے افسانے ہلکے پھلکے سادہ اور سلیس ہیں۔ ان میں گہری معنویت نہیں ہوتی۔ رومان کی آمیزش ہوتی ہے لیکن پاکیزہ طریقے سے باغی لڑکی ان کے چوبیس افسانوں کا

---

[1] نیا کتاب گھر اُردو بازار جامع مسجد دہلی سے طبع ہوئے۔

مجموعہ ہے۔ بیشتر افسانے سماج کے مظالم کے نوحہ خواں ہیں۔ افسانہ نگاری پر قدرت ہے طبیعت موزوں اور مشاہدہ تیز ہے۔ اس مجموعے کا پیش لفظ "حق شناسی" کے عنوان سے آصف علی بیرسٹر نے تحریر فرمایا ہے۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"زبان عورتوں ہی کی ہے۔ جن خیالوں کے اظہار کے لیے مرد لغات ڈھونڈتے اور بناوٹی فقرے گھڑتے ہیں عورتیں اور مرد کے محاوروں۔ سیدھے سادھے لفظوں اور کہاوتوں میں ادا کر دیتی ہیں۔ جو کچھ ان کے زبان سے نکلتا ہے وہ ادبی ترازو میں باون تولہ پاؤ رتی اترتا ہے۔"

اس مجموعے میں چمپا کا زرد پھول۔ باغی لڑکی وغیرہ اچھے افسانے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہی مجموعہ "سہارا" کے نام سے بھی چھپ چکا ہے۔ اور اس میں یہی افسانے شامل ہیں۔ میں نے دو تین ایڈیشن دیکھے ان میں یہی افسانے دو مختلف ناموں سے طبع ہوئے ہیں۔

رضیہ کے[1] افسانے ـــــ اس میں رقیہ سلطانہ کے تین افسانے شامل ہیں۔ افسانوں میں کوئی خاص جدت نہیں۔ زبان صاف ہے۔ مصنفہ دہلی کی رہنے والی ہیں۔

---

[1] محبوب المطابع جامع مسجد دہلی۔

نفسیاتی افسانے

نفسیاتی افسانوں کے قابلِ ذکر مجموعے:۔

۱۔ عورت ۔ ۲۔ کلیاں۔ ۳۔ چوٹیں۔ ۴۔ کھیل
۵۔ چرکے۔ ۶۔ ہچکیاں۔ ۷۔ درپن ۔ ۸۔ پچھتاوا
۹۔ سحرِ بنگال۔ ۱۰۔ ساتھی اور دیگر افسانے۔

آج کل وہی افسانے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں جن میں کرداروں کی تحلیل اور ان کے نفسیاتی تجزیہ میں زورِ قلم صرف کیا جائے، یہ نئے افسانہ کی خاص خصوصیات ہیں۔ یعنی انسان کی ذہنی اور باطنی کشمکشوں کا بیان اس کو ترقی پسندی کی تحریک نے بہت تقویت پہنچائی۔ اس دور میں بہت سی ممتاز لکھنے والیاں پیدا ہوئیں۔ ان افسانوں میں دبی دبی نسوانیت۔ شرمیلی نزاکت نہیں کھری کھری حقیقت ہے۔ اس کی موجد ڈاکٹر رشید جہاں ہیں، جن کے افسانوں کا مجموعہ "عورت" طبع ہوا۔ لیکن اس سے پہلے طاہرہ دیوی شیرازی مصنفہ "سحرِ بنگال" کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ گو ان کے افسانے ترقی پسند تحریک کی ابتدا سے قبل لکھے گئے۔ تاہم ان میں ترقی پسند تحریک کے قدموں کی چاپ سُنائی دیتی ہے۔

سحرِ بنگال[1] از طاہرہ دیوی شیرازی ـــــ اس میں طاہرہ دیوی شیرازی

---

[1] ساقی بک ڈپو دہلی نے شائع کروایا۔

کے بارہ افسانے دو مضمون اور ایک طنز "نصف ایکٹ کا ڈرامہ" شامل ہے۔ سحر بنگال کے افسانوں کے متعلق نیاز کی یہ رائے بالکل ٹھیک نظر آتی ہے کہ

"طاہرہ دیوی کے افسانے فن کے لحاظ سے اُردو میں ارتقائی درجہ کی چیز ہیں، جہاں مَردوں کا دماغ بھی مشکل ہی سے پہنچ سکتا ہے۔"

ان کے افسانوں میں "دختر کفش دوز"۔ "سنجوگ"۔ "غلط فہمی" "کون کی جستجو" خاص پائے کے افسانے ہیں۔ دختر کفش دوز امارت اور غربت کی ناقابلِ عبور خلیج کا مرقع ہی نہیں نسوانی زندگی کا زبردست حزنیہ بھی ہے۔ دختر کفش دوز صحرا کا ایک پھول ہے۔ جسے گُل چین شاخ سے علٰحدہ کر کے کچھ دن زیب گلو کرتا ہے۔ پھر باسی ہونے پر مَل ڈالتا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ موری کا کیڑا موری ہی میں خوش رہتا ہے۔ دختر کفش دوز کا ننھا دل اس شقاوت پر آنسو بہانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اس میں مرد کی فطرت اور عورت کی بیچارگی کا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ دوسرا افسانہ 'سنجوگ' بھی نسوانی فطرت کی عکاسی کر رہا ہے۔ عورت کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتی سوائے محبت کے۔ یہی ایک طاقت ہے۔ جس کے سامنے سر جھکانے پر وہ مجبور ہو جاتی ہے۔ اس افسانے میں سربالا یہ جانتے ہوئے بھی کہ منوہر اس کا اپنا کسی صورت نہیں ہو سکتا اپنی سب سے عزیز چیز منوہر پر قربان کر دیتی ہے۔ سکون کی جستجو، اپنی نوعیت کا واحد

افسانہ ہے۔ جس میں خود غرضی انسانوں کی خود غرضی اور غریب حیوان کی لاچاری بتائی ہے۔ 'غلط فہمی' اور 'بازی گر' بھی کافی اچھے افسانے ہیں زبان پر فارسیت چھائی ہے۔ تعجب ہے طاہرہ دیوی کی مادری زبان اُردو نہ ہوتے ہوئے بھی اتنی اچھی اُردو لکھتی ہیں۔

عورت اور دیگر[1] افسانے از رشید جہاں ـــــ اس میں ڈاکٹر رشید جہاں کے سات افسانے شامل ہیں جس میں 'عورت' ایک ایکٹ ڈراما ہے۔ رشید جہاں دورِ حاضر کی ایک بیباک لکھنے والی ہیں۔ وہ علم الابدان ہی کی ڈاکٹر نہیں نفسیات انسانی کی بھی ماہر ہیں۔ "عورت" عورت کی مظلومی کی داستان ہے۔ مرد جو چاہے کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ مرد ہے۔ قانون اس کا بنایا ہوا ہے۔ اخلاق کے اُصول اس نے تراشے۔ وہ چاہے تو چار شادیاں کر سکتا ہے۔ اگر عورت اس کے خلاف آواز بلند کرے تو وہ گردن زدنی ہے۔ اسے احتجاج کا کوئی حق نہیں۔ دوسرے افسانے میں بھی مَردوں کی نفسیات دکھائی ہے۔ جس میں یہ بتایا ہے کہ گناہ کرنا گناہ نہیں۔ اس کا پکڑا جانا گناہ ہے۔ بقیہ پانچ افسانے بھی نفسیات انسانی کے مطالعے ہیں۔ ڈاکٹر رشید جہاں بڑی صاف گو واقع ہوئی ہیں۔ ایک ریل کے سفر میں وہ گھر کی بیٹھنے والیوں کی تنگ نظری بتانا چاہتی ہے جو ندب کی آڑ لے کر مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔

---

[1] ہاشمی بک ڈپو لاہور (یہ کتاب ممنوع قرار دی گئی تھی)

رشید جہاں ایک جراح ہیں جو رستے ہوئے ناسوروں پر نشتر لگاتی رہتی ہیں۔

رشید جہاں کے بعد دوسری اس صنف کی ممتاز لکھنے والی عصمت چغتائی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیں۔ جن کے افسانوں کے دو مجموعے "کلیاں" اور "چوٹیں" شائع ہوئے ہیں۔ عصمت بھی دورِ حاضر کی بیباک لکھنے والی ہیں۔ ان کی تخلیقات پر بھی حکومت کو تحدید عاید کرنی پڑی۔ ان کا مشاہدہ تیز اور قلم نڈر ہے۔ ان کا اصول ہے[1] "جب زخم میں مواد بھر جائے تو اس پر پٹیاں باندھنے سے بہتر ہے کہ نشتر لو اور جراحی شروع کر دو"۔ وہ معاشرت کے گھناؤنے ناسوروں کو ڈھکا چھپا رکھنا نہیں چاہتیں جرأت سے منظر عام پر لے آتی ہیں۔ چنانچہ ان کے افسانے "پردے کے پیچھے"۔ "لحاف" "گیندا"۔ "خدمت گار" میں بھی بے درد اور عریاں نفسیاتی واقعیت ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان واقعات کو "پردے کے پیچھے" ہی رہنے دینا چاہیئے کیونکہ اس سے ہمارے روایتی تمدنی نظام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے بعض وقت وہ حد سے زیادہ بیباکی[2] سے کام لیتی ہیں۔ جس سے اخلاقی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے ان کے متعلق لکھا کہ:۔

---

[1] موصوفہ نے یہ جملے راقمہ الحروف کی آٹوگراف پر لکھے تھے۔ [2] جیسا کہ افسانہ "لحاف" میں۔ دورانِ ملاقات میں۔ میں نے موصوفہ سے دریافت کیا کہ آپ ادب میں ان کثیف جذبات کو کیوں لائی ہیں۔ ادب میں رُوحانی لطافت کا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔ ادب کو ہمیشہ احساساتِ عالیہ کا دامن پکڑنا چاہیئے۔ اس پر موصوفہ نے کہا ادب دل بہلائی نہیں۔ وہ گراموفون نہیں کہ جب دل چاہا بجالیا۔ اسے تو زندگی کا آئینہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ جو کچھ اپنے آس پاس دیکھے وہ بیان کر دے۔ جب معاشرت میں یہ چیزیں موجود ہیں تو انھیں کیوں پوشیدہ رکھا جائے۔

"وہ بڑی بے اختیار اور بے دریغ لکھنے والی ہیں۔ اپنے موضوع کے لیے ایک محدود دائرہ اور اپنے اسلوب کے لیے ایک مخصوص معیار بنا چکی ہیں۔ نہ موضوع کے اعتبار سے وہ کسی کی خوشہ چیں کہی جا سکتی ہیں نہ اسلوب کے اعتبار سے۔ دونوں ان کی اپنی ذہانت اور طباعی کی پیداوار ہیں۔"

یہ صحیح ہے۔ عصمت کا ایک خاص نہج ہے۔ انھیں روزمرہ استعمال کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ ان کے اسلوب میں بے ساختگی ہے۔ جسے مجنوں نے "الفاظ اور فقروں کے طرارے بھرنے سے" تعبیر کیا ہے۔ ان کے افسانوں کے پہلے مجموعے "کلیاں" میں صلاح الدین احمد نے ان کے اسلوب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جس کے دُہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

کلیاں[1] ـــــ ان کے سولہ افسانوں اور ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ جن میں "شادی"۔ "بچپن"۔ "خدمتگار"۔ کامیاب نفسیاتی مطالعے ہیں۔ "شادی" میں دورِ حاضر کے ایک نوجوان کے کردار کی تصویر کھینچی ہے۔ جو ہر آستاں کو مرکزِ خیال بنانا چاہتا ہے۔ آج کل کی سوسائٹی کا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں ان کے ڈرامے کامیاب ہیں۔

چوٹیں[2] ـــــ عصمت کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں عصمت کلیوں سے ایک قدم آگے نظر آتی ہیں۔ "لحاف" درجۂ اخلاق سے گرا ہوا ہے۔ اسی

---

[1] مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔

[2] مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔

وجہ سے اس کتاب کو ممنوع قرار دیا گیا۔ عصمت اگر اپنی ذہانت اور طباعی کو صرف "جنسی الجھاؤ" کے سلجھانے تک محدود نہ کریں تو یہ بہت کامیاب لکھنے والی ثابت ہوں گی۔ ان کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ "ایک بات" زیرِ طبع ہے۔ عصمت چغتائی کے بعد اس صنف کی کامیاب لکھنے والیاں صدیقہ بیگم۔ حاجرہ مسرور۔ خدیجہ مستور۔ شکیلہ اختر اور حمیدہ بیگم ہیں۔

ہچکیاں[1] از صدیقہ بیگم سیوہاروی ـــــ اس میں کل گیارہ افسانے ہیں جس کا انتساب مصنفہ نے 'سسکتی ہوئی تہذیب' کے نام کیا ہے۔ یہ جماعتی کشمکش کے آئینہ دار ہیں۔ تنازع البقا میں غریبوں کی شکست اور امیروں کی فتح کی داستان ہے۔ اکثر افسانوں کے عنوان سے اس کا پلاٹ معلوم ہو جاتا ہے۔ "چاول کے دانے" ایک دردناک افسانہ ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ ایک غریب بوڑھا بھوک سے مجبور ہو کر کس طرح اپنی پوتی کی آبرو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ "تصویر" ایک نفسیاتی افسانہ ہے۔ اس کا پس منظر بنگال کا قحط ہے۔ "واپسی" میں طبقاتی اونچ نیچ کو واضح کیا ہے۔ ایک امیر اور غریب لڑکے کی دوستی کیوں ناممکن ہے۔ "گلابی کی نذر" ایک دردناک افسانہ ہے۔ "زنجیر" ایک نفسیاتی افسانہ ہے کہ کس طرح موجودہ تہذیب کتوں کی خدمت انسانوں سے لیتی ہے۔ ان کا مشاہدہ عمیق طرزِ بیان دلچسپ ہے۔ زبان میں ادبیت ہے۔ افسانوں میں عُریانی نہیں۔ اپنے افسانوں کے متعلق وہ خود لکھتی ہیں کہ:-

---

[1] مطبوعہ نفیس اکیڈیمی حیدر آباد دکن۔

"میرے[1] افسانے زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں۔"

چرکے[2] از حاجرہ مسرور ـــــ یہ حاجرہ مسرور کے چودہ[14] دلکش و دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ حاجرہ مسرور نے اس کا انتساب ان کے نام کیا جو "محسوس کرسکیں"۔ واقعی افسانے خود گہرے احساس کے پیداوار ہیں۔ اس میں نہ زندگی کے نوحے ہیں نہ نوید سحر۔ دلوں کی گتھیاں سُلجھائی ہیں۔ اس طرح ان کے افسانے ہمارے تحت الشعور میں داخل ہوکر دل سے قریب ہو جاتے ہیں۔ سب افسانے دلکش ہیں۔ بعض ان میں بہت مؤثر ہیں جیسے "معصوم محبت" "بھنورا"۔ "تھپڑ" وغیرہ۔ "بھنورا" میں ایک شادی شدہ مرد کی نفسیات پر روشنی ڈالی ہے جو لڑکیوں کے جذبات سے کھیلتا رہتا ہے۔ معصوم محبت معصوم طفلانہ محبت کا عکس ہے۔ "تھپڑ" میں سماج کی ساختہ بندشوں پر طمانچہ لگایا ہے۔ اس سماج پر جو دولت کا پجاری ہے۔ جو زندگی کے تانے دولت کی دوڑیوں سے کھولتا اور جوڑتا ہے۔ زبان شُستہ اور رفتہ ہے۔ جو ان کے لکھنوئی پن پر دلالت کرتی ہے۔ اسلوب منج جائے تو اچھا ہوگا۔ اپنے افسانوں کے متعلق ان کا یہ خیال ہے:۔

"میرے افسانے لاکھوں کچلے روندے انسانوں کی زندگی کے کسی نہ کسی رُخ کو سچائی کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ بس۔"

---

[1] کچھ شاعر آگرہ افسانہ نمبر ۱۹۴۶ء۔

[2] ادبیات جدید چنگڑ محلہ انارکلی لاہور۔

کھیل[1] از خدیجہ مستور ـــــ اس میں خدیجہ مستور کے گیارہ افسانے شامل ہیں۔ جس کا انتساب مصنفہ نے 'پختہ مشق کھلاڑیوں' کے نام کیا ہے۔ ناشر نے اسے بارہ نشتروں سے تعبیر کیا ہے جو مصنفہ نے سماج کے رستے ہوئے پھوڑوں پر لگائے ہیں۔ واقعی یہ گہرے احساس کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ پہلا افسانہ "کھیل" بہت مؤثر ہے۔ اس میں ایک بدصورت لڑکی کو دکھایا گیا ہے۔ جسے محبت کا فریب دیا جاتا ہے اور وہ سچ سمجھتی ہے لیکن آخر میں یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔ اور "زخم جگر کے ٹانکے ٹوٹے ہنسی ہنسی میں" کے مصداق یہ "کھیل" اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ 'پتنگ' ان کا دوسرا جذباتی مؤثر افسانہ ہے۔ "باندی کی عید"۔ "اب تم جا سکتے ہو" کافی دلکش ہیں۔ باندی کی عید میں ایک باندی کے احساسات و جذبات کی عکاسی کی ہے۔ غرض کھیل افسانوی ادب میں اچھا اضافہ ہے۔ خدیجہ مستور اور حاجرہ مسرور دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ معنوی حیثیت سے بھی دونوں بہنیں نظر آتی ہیں۔ ان کے اسلوب ایک دوسرے سے اتنے مشابہ ہیں کہ بعض وقت بغیر نام دیکھے پتہ لگانا دشوار ہو جاتا ہے کہ یہ حاجرہ مسرور کا لکھا ہوا ہے یا خدیجہ مستور کا۔ ان کی تحریریں بڑی حد تک ترقی پسند ہیں۔ ان کے علاوہ نسوانی رسالوں میں کثیر تعداد افسانوں کی شائع ہوتی ہے۔ ان لکھنے والیوں میں سروری انوری۔ مہر آرا۔ نسیم سلیم چھتاری۔ قرۃ العین حیدر۔ کوشلیا اشک۔ زینت ساجدہ (عثمانیہ)۔ فاطمہ نسرین۔ سحاب آغا قزلباش۔ س

---

[1] ادارۂ ادبیات جدید چنگڑ محلہ انارکلی لاہور۔

ناہید عالم۔ ممتاز شیریں بی۔ اے۔ بانو فخر الدین (دکن)۔ سرور رضویہ (دکن) سحر مدرۃ "تنویر" بمبئی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سروری۔ انوری۔ تسنیم سلیم چھتاری اور قرۃ العین حیدر۔ ممتاز شیریں کے تخلیقات بہت دلکش اور نہایت جذباتی ہوتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر۔ نذر سجاد حیدر کی دختر ہیں اس لیے ادبی ذوق وشوق انھیں میراث میں ملا ہے۔ یہ حجاب کے نقش قدم پر جادہ پیما ہیں۔ ان کے چند ہی افسانے شائع ہوے ان میں 'ایں دفتر بے معنی'، 'میری گلی میں ایک پردیسی'، 'ستاروں سے آگے' وغیرہ افسانوں کی اول درجے کی صف میں رکھے جا سکتے ہیں۔ قرۃ العین بورژوا طبقہ کی عکاسی خوب کرتی ہیں۔ یہی حال تسنیم سلیم کا ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعے "کسک" اور "نشیمن" عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو جائیں گے۔ 'کسک' ان کا ایک دل دوز افسانہ ہے۔ "وہ نگاہیں" بھی کافی موثر ہے۔ تسنیم سلیم کا مرکزی خیال خوب ہوتا ہے۔ لیکن بعض وقت وہ اسے نباہنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

۱؎ مطبوعہ شاعر افسانہ نمبر۔

شاعری

۱۔ نوائے حرم۔	از ح۔ ب۔ صاحبہ مہجور۔
۲۔ متاعِ حرم۔	زیب عثمانیہ لدھیانوی
۳۔ موجِ تخیل۔	نوشابہ خاتون قریشی بی۔ اے (عثمانیہ)
۴۔ باغِ دلکشا۔	آفاق زمانی بیگم
۵۔ آئینۂ جمال۔	بلقیس جمال بریلوی۔
۶۔ شمع خاموش۔	منجھو بیگم لکھنوی۔
۷۔ آئینہ حرم۔	زاہدہ خاتون شیروانی۔
۸۔ دیوان حیا۔	حاجی بیگم حیاؔ
۹۔ نغمۂ سوز۔	سکینہ محمود صاحبہ
۱۰۔ اشک خونین۔	رابعہ پنہاں
۱۱۔ قوس قزح۔	بلقیس جمال بریلوی
۱۲۔ فردوسِ تخیل۔	زاہدہ خاتون شیروانی
۱۳۔ غزال۔	حسن آرا غزالہ
۱۴۔ نالۂ بیکس۔	بلقیس فاطمہ بیکسؔ
۱۵۔ فغانِ اشرف۔	اشرف جہاں بیگم
۱۶۔ سفینۂ نجات۔	صغرا ہمایوں مرزا

۱۷۔ نیاراگ ۔	مؤلفہ ذکیہ سلطانہ ساغر نظامی
۱۸۔ نقوش کامل ۔	از بشیر النساء بیگم بشیر
۱۹۔ رافت سلطانی ۔	〃
۲۰۔ قائدِ ملّت ۔	〃
۲۱۔ آبگینہ شعر۔	〃

شاعری

غدر کے بعد شاعری کا رُخ بھی بدل گیا۔ مولانا حالی نے شاعری کی تنگنائے غزل کا رُخ وسیع میدانوں کی سمت موڑ دیا۔ اب شاعری حسن و عشق کی داستان نہیں تھی۔ زندگی اور اس کے مختلف مسائل اس کے موضوعات بنے۔ شاعری کا یہ دَور ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے علم و ادب تہذیب و تعلیم۔ فکر و تخیل کے انقلاب کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ نظم جدید کی اس تحریک و اشاعت کا سہرا محمد حسین آزاد اور خواجہ حالی کے سر ہے۔ ۱۸۷۴ء میں بمقام لاہور ایک مشاعرہ ہوا جس میں خاص قسم کی نظمیں سُنائی گئیں۔ اس کے بعد اُردو شاعری میں یہی رنگ جھلکتا رہا۔ چونکہ اب شاعری میں صرف حُسن و عشق کی تفصیل نہیں تھی۔ اصلاحی۔ معاشرتی۔ تمدنی ہر قسم کے موضوع تھے اس لیے خواتین کے کئی مجموعے طبع ہو کر منظرِ عام پہ آئے۔ اس سے پہلے صرف غزل کی گرم بازاری تھی۔ شریف خواتین ان کا مظاہرہ کرتے ہچکچاتی تھیں۔ چنانچہ ابھی تک ان خواتین کے اتنے مجموعے چھپ چکے ہیں۔

آئینۂ حرم[1] از زاہدہ خاتون شیروانی ـــــ انچالیس صفحات کا مختصر رسالہ ہے جس میں ان کا مشہور مسدس "آئینۂ حرم" اور دوسری نظمیں شامل ہیں۔ یہ ۱۹۲۱ء میں طبع ہوا۔

فردوسِ تخیل[2] ـ یہ ضخیم دیوان ان کے وفات کے بعد ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ اسے مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور اس حصّے کی مناسبت سے ویسی نظمیں لکھی ہیں مثلاً ایک عنوان ہے "بزم عزا" اس میں عزیزوں دوستوں وغیرہ کی موت پر انھوں نے جو نوحے لکھے ہیں وہ شامل ہیں۔ بکھرے ہوئے موتی کے تحت قطعات۔ رباعیات مفردات شامل ہیں۔ اس دیوان میں بعض فارسی اور عربی نظمیں بھی شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی اور عربی میں بھی فکرِ سخن کرتی تھیں۔ بہت پُرگو شاعرہ تھیں۔ ان کی شاعری میں اخلاقی اور قدرتی رنگ جھلکتا ہے۔ فردوسِ تخیل میں غزلیں نہیں ہیں۔ جمیل احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"وہ غزلوں کا ردیف وار دیوان مرتب کر رہی تھیں۔ لیکن موت نے مہلت نہ دی۔"

زاہدہ خاتون کی شاعری میں اصلاح کا رنگ بھی بہت گہرا ہے۔

موجِ تخیل[3] از نوشابہ خاتون قریشی بی۔ اے (عثمانیہ)۔ نوشابہ خاتون میں شاعری کی فطری صلاحیت ہے۔ دیباچہ دیکھنے سے معلوم ہوتا

---

[1] مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور)
[2] [3] مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد۔

ہے کہ یہ دس سال کی عمر سے شعر کہتی تھیں۔ غزلیں کم کیا چاہیے کہ ہیں ہی نہیں۔
زیادہ تر نظمیں اس مجموعے میں شامل ہیں، چند قصیدے، حمد و نعت اور منقبت کے چند اشعار ہیں۔ کلام میں پختگی ہے۔ عربی فارسی کی ترکیبیں انہیں بہت مرغوب ہیں۔ ان کی شاعری دل سے زیادہ دماغ کی معلوم ہوتی ہے آخر میں "عقد پروین" کے نام سے حالی کے تتبع میں چند قطعات اور رباعیاں بھی شامل ہیں۔ مناظرِ قدرت کی عکاسی اچھی کی ہے۔ زیادہ تر نظمیں مناظرِ قدرت ہی کے متعلق لکھی ہیں۔ اشکِ حسرت[1] کے نام سے راشد الخیری پر ایک طویل نظم ہے۔ اس نظم میں اقبال کا رنگ جھلکتا ہے۔ بہرحال جذبات پاکیزہ اور خیالات شایستہ ہیں۔ دو تین غزلیں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ غزلوں سے بھی پختہ مشقی[2] جھلکتی ہے۔

نوائے حرم[3] از ح۔ ب۔ صاحبہ مہجور —— ان کا کلام اخلاق آموز اور ابتذال سے پاک ہے۔ اکثر و بیشتر نظمیں ذاتِ باری کی توصیف اور قدرتی مناظر کی تصویر کشی پر مشتمل ہیں۔ ایسی نظمیں بھی ہیں جن میں انسانی زندگی کو مستقل جد و جہد اور پیہم تگ و دو کی ترغیب دی گئی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو یہ شعر:۔
وا درد! بجھ چکی شمعِ شبستانِ حیات ⁂ چھپ گیا بدلی میں اب وہ مہرِ تابانِ حیات

[2] ملاحظہ ہو:۔ حال کیا پوچھتے ہو سوختہ سامانی کا ⁂ درد سرمایہ ہوا زندگیٔ فانی کا
سنگِ در بعض نے سنگِ رہِ مقصد سمجھا
یہ صلہ ہم کو ملا آپ کی دربانی کا

[3] مطبوعہ تاج کمپنی لاہور۔

آئینۂ جمال از بلقیس جمال بریلوی ـــــ محترمہ بلقیس جمال کے کلام کا مجموعہ "آئینہ جمال" کے نام سے طبع ہوا ہے۔ یہ قدرت کی دلچسپیوں کا آئینہ ہے۔ اور ایک پاکیزہ اور مصفا آئینہ جیسے قلب کی وارداتوں کا عکس ہے۔ جمیل احمد[2] صاحب نے ان کے متعلق ٹھیک لکھا ہے کہ:۔

"ان کی نظمیں مناظرِ فطرت کی مصوری کا دلاویز نمونہ ہوتی ہیں،
ان کی تاریخی، ملّی، جذباتی، رومانی نظمیں بہت پُر کیف ہیں۔"

آئینہ جمال میں زیادہ قدرتی اور قومی نظمیں شامل ہیں۔

قوس قزح بلقیس جمال بریلوی[3] ـــــ یہ مصنفہ کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہے اس میں بھی وہی رنگ ہے جو آئینۂ جمال میں۔ لیکن قوس قزح میں بعض رومانی نظمیں بہت اچھی ہیں۔

باغِ دلکشا از آفاق زمانی بیگم ـــــ مغلیہ خاندان کی شہزادی ملکہ آفاق زمانی بیگم کا دیوان ہے۔ محترمہ پُرانے رنگ میں غزل کہتی تھیں۔

---

[1] مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔

[2] دیکھئے صفحہ نمبر ۳۰۸ شاعراتِ اُردو۔

[3] ان کی دو نظمیں "شمع" اور "پروانہ" جسے جمیل احمد صاحب نے بھی اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے۔ جذبات میں گہرائی اور الفاظ میں ترنم اور موسیقیت ہے۔ شمع "پروانہ" کو بلاتی ہے آخر میں اقرار کرتی ہے کہ:۔ آگ جو تجھ میں ہے وہ میرے دلِ غمگین میں ہے
لاگ جو تجھ میں ہے میری آہِ آتش بیں میں ہے
ملاحظہ ہو دوسری نظم "پروانہ" کے اشعار۔ اس میں "پروانہ" اپنی حالت بتاتا ہے کہ۔
میں محو سوز و ساز ہوں۔ خروش دل گداز ہوں اور غم دوام عشق ہوں۔ کہ صبح و شام عشق ہوں
آخر میں لگی ہے آگ سر پر۔ سلام عمر مختصر۔ کہہ کر آگ میں خم ہو جاتا ہے۔

متاعِ حرم[1] زیب عثمانیہ ــــ متاع حرم میں ادبی نظموں کے علاوہ اصلاحی نظمیں اور غزلیں بھی ہیں۔ زیب عثمانیہ نے اقبال کا تتبع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شاعری میں پختہ مشقی کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کی شاعری فلسفیانہ اور اخلاقی ہے۔ یہ رنگ خواتین کے کلام میں شاذ ہی پایا جاتا ہے اس لحاظ سے زیب عثمانیہ دورِ حاضر کی قابلِ ذکر شاعرہ ہیں۔ بعض بحریں بھی اقبال کی ہیں[2]۔ خیالات میں بھی ان کی خوشہ چینی کی ہے[3]۔

سفینۂ نجات[4] از صغرا ہمایون مرزا ــــ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۱۲ء میں چھپی اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں پھر ۱۹۴۱ء میں۔ اس میں مناجات اور نوحے سلام وغیرہ شامل ہیں بہت سے نوحے انیس کے تتبع میں لکھے ہیں۔ مرثیے چونکہ مجلس میں پڑھے جاتے ہیں اس لیے اس کی یہ خصوصیت ہے کہ پہلے مصرع کا آدھا نصف حصّے کی ہر شعر میں تکرار ہوتی ہے جیسے

۱؎ مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور) ۲؎ ملاحظہ ہو ان کی نظم "فلسفۂ جنگاہ" "متاعِ حرم صفحہ (۹۴)

قوموں کی تقدیر وہ مردِ جنگاہ ایمان جس کا الحکم للہ

۳؎ ملاحظہ ہو متاع حرم صفحہ (۶۸)

تو صاحبِ تدبیر نہ میں صاحب تدبیر ؛ تدبیر پہ موقوف ہے ہر قوم کی تقدیر

ان کا تغزل بھی کامیاب ہے ملاحظہ ہوں یہ اشعار ؎

بھولیں نہ مجھ کو تیری وفائیں ؛ مجھ سے زمانے بھر نے جفا کی

ذیل کے شعر میں کتنا ترنم ہے:-

مرا ہم سفر نہیں تو کہ جدا ہے تیری محفل
مجھے اہتمام طوفاں تجھے انتظار ساحل

۴؎ مطبوعہ شمس المطابع مشین پریس کوچہ مسجد فصیح جنگ۔

سر پیٹ کے کہتی تھی یہی زینبؑ ناچار عباسؑ علمدار
ہے ہے مرے بھائی کا رہا کوئی نہ غم خوار

اس طرح تمام مرثیے میں اس جزو کی تکرار ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے سفینۂ نجات میں تمام ایسے نوحے شامل ہیں جو مجلسوں کے لیے مفید ہیں۔

شمعِ خاموش[1] از منجھو بیگم لکھنوی ــــــ اسے رازق الخیری نے مرتب کیا ہے۔ تمام نظمیں دردناک اور موثر ہیں۔ بیشتر نظموں میں عورتوں کی کس مپرسی دکھائی ہے۔ نظموں میں درد و اثر ہے۔

دیوانِ حیا از حاجی بیگم حیاؔ ــــــ اس میں موصوفہ کا صرف نعتیہ کلام شامل ہے۔ نعت خوانی کے لیے مفید ہے۔ اس میں موسیقیت و ترنم ہے۔

اشکِ خونین رابعہ خاتون پنہاںؔ ــــــ جمیل احمد صاحب نے "شاعراتِ اُردو" میں اس مجموعے کا حال لکھا ہے اور اس کا انتخاب بھی درج کیا ہے۔ صاحبِ موصوف لکھتے ہیں "یہ مصنفہ نے اپنے والد کی یاد میں شائع کروایا تھا" ــــــ اس کا انتخاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رابعہ پنہاں ایک پختہ مشق شاعرہ ہیں جو غزل اور نظم دونوں میں یدِ طولیٰ رکھتی ہیں۔ جمیل صاحب کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ:

"جذبات اور وارداتِ قلب[2] کی ترجمانی پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے"۔

۱۔ مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔ ۲۔ ملاحظہ کیجئے ذیل کے اشعار:۔

پہلا:۔ جبینِ حُسن پر سرخی سی دوڑی ٭ نگاہِ آرزو نے کر دیا کیا

دوسرا:۔ عزیزِ خاطرِ باغباں کی قفس کے خوگر بھی ہو گئے ہیں
ہم اپنے ہاتھوں سے فصلِ گل میں نشیمن اپنا لٹا رہے ہیں

اشکِ خونین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے والدِ مرحوم کی یاد میں خون کے آنسو ہیں۔

فغانِ اشرف[1] از اشرف جہاں بیگم اشرف ـــــ یہ اشرف جہاں بیگم کی دردناک نظموں کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے قوم و ملّت کی حالت اور ہندوستانی عورت کی زبون حالی پر خون کے آنسو بہائے ہیں۔

نالۂ بیکس از بلقیس فاطمہ بیکس ـــــ تذکرۂ شاعراتِ اُردو میں لکھا ہے کہ بلقیس فاطمہ صاحبہ کے کلام کا مجموعہ جذباتِ بیکس موسوم بہ "نالۂ بیکس" ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا ہے۔ جس میں قاضی ریاض الدین صاحب ریاض انصاری کا مقدمہ شامل ہے۔ اصل کلام دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ تذکرۂ شاعرات میں جو انتخاب دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری پر قومی اور ملّی رنگ غالب ہے۔ بلقیس فاطمہ نے اسرار الحق مجاز کی بعض نظموں کی بڑی اچھی تضمینیں کی ہیں۔[2]

غزال از حسن آرا غزالہ ـــــ حسن آرا رابعہ پنہاں اور بلقیس جمال کی چھوٹی بہن ہیں، یہ شاعری میں اپنی دونوں بہنوں کا تتبع کرتی

---

[1] عصمت بک ڈپو۔ دہلی

[2] ۔ ملاحظہ ہو:۔ تمھارے اس تعلق نے کیا برباد لاکھوں کو
تمھاری اس خوشامد نے کیا رسوا ہزاروں کو
بھلی لگنے لگیں باتیں یہ خاتونوں کے کانوں کو
انھیں باتوں پہ کر ڈالا انھوں نے چاک پردوں کو
ترے زرّیں گھر ہو محل ہو قصر ہو کچھ ہو
میں یہ کہتا ہوں تو ارضِ و سما لیتی تو اچھا تھا

ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ "غزل" شائع ہو چکا ہے۔ جس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری جذباتی اور وجدانی ہے۔ نظموں میں موسیقیت اور ترنم ہے۔ زبان میں گھلاوٹ ہے[1]۔

نیاراگ[2] مؤلفہ ذکیہ سلطانہ ساغر نظامی ـــــ شعر گوئی کے ساتھ شعر فہمی کا خواتین میں اچھا ذوق ہے۔ اس کا مظاہرہ ان منتخبات سے ہوتا ہے جو خواتین طبع کراتی ہیں۔ "نیاراگ" ذکیہ سلطانہ ساغر نظامی نے مرتب کیا ہے اس میں دورِ حاضر کے چوٹی کے شعراء کے دلکش کلام کا انتخاب کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انتخاب خوب ہے۔ ذکیہ ساغر نظامی کی بھی غزلیں شامل ہیں۔ تمام نظمیں جدید رجحانات کی علمبردار ہیں۔

زنانہ نظمیں[3] اسے فاطمہ بیگم منشی فاضل نے ۱۹۲۱ء میں مرتب کیا تھا اس میں مشاہیر شعراء کی وہ نظمیں ہیں جو انھوں نے صنفِ نازک کے متعلق کہی ہیں۔

---

[1] غزال صفحہ ۲۶) غمناک خانہ

لیلیٰ کی کہانی تو برسوں کی پرانی ہے
اب اور سنا مجنوں تازہ کوئی افسانہ
کوثر بھری آنکھوں سے مت دیکھ ادھر ساقی
اُٹھتے ہی نظر تیری بے ہوش ہے دیوانہ

[2] بمبئی سے طبع ہوا۔

[3] مطبع خادم التعلیم پیسہ اخبار لاہور۔

نیرنگِ نظر:۔ از روحی علی اصغر۔ حال ہی میں روحی علی اصغر کے کلام کا مجموعہ نیرنگِ نظر کے نام سے چھپا ہے۔ روحی حیدر آباد کے ایک معزز اور اعلیٰ خاندان کی فرد ہیں۔ وہ خاندان جس نے کئی مشہور بہنوں کو جنم دیا۔ شروع ہی سے روحی کو علمی و ادبی ماحول نصیب ہوا۔ جس نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو اُبھارا اور نکھارا۔ بقول کسے شاعر بنتا نہیں پیدا ہوتا ہے، اسی طرح روحی میں شعر کہنے کی صلاحیت فطری ہے۔ ان کا اسلوب ان کی شخصیت کی طرح دلکش معتدل اور خوبصورت ہے۔ ان کی شاعری تخریبی نہیں تعمیری اور اصلاحی ہے۔ اور یہ وہ شاعری ہے جس کی وجہ سے شاعر تلمیذ الرحمٰن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

نیرنگ نظر میں نظمیں بھی ہیں غزلیں بھی قطعات بھی اور رباعیات بھی۔ تھوڑے سے متفرق اشعار۔ ان سب میں غزلوں میں روحی کا رنگ بہت نکھرا ہے۔ ان کی شاعری میں قدیم اور جدید دونوں کا سنگم نظر آتا ہے۔ اندازِ بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے تاہم ان کی بات دل میں اُتر جاتی ہے ملاحظہ ہو:۔

پیش آؤ نہ مہربانی سے　　دل دھڑکتا ہے شادمانی سے
ساری دُنیا مری مخالف ہے　　آپ کی ایک مہربانی سے

غزلوں میں رمزیت اور اشاریت ہے جو غزل کے لطف کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ مثلاً

سرِ منزل ہمیں لُوٹا گیا ہے　　چھپے تھے راہزن بھی کارواں میں

نغمۂ سوز[1] از سکینہ محمود ـــــ سکینہ محمود کی شاعری میں سوز و گداز اور اثر ہے۔ نغمہ سوز میں ان کی نظمیں غزلیں غزلوں میں سادگی کے ساتھ پرکاری کا نقشہ نظر آتا ہے۔ بحروں میں موسیقیت و ترنم ہے۔ کلام دلی واردات کا عکاس[2] ہے۔

اس کے علاوہ ایسی شاعرات کی تعداد کثیر ہے جن کے مجموعے طبع نہیں ہوئے۔ تاہم جن کی شاعری اُردو کے لیے باعثِ فخر ہے۔ ان لکھنے والیوں میں دو قسم کی ہیں۔ نظم نگارہ۔ غزل گو۔ آج کل خواتین زیادہ تر نظم گوئی کی طرف مائل ہیں۔ وہ حُسن و عشق کی لطافتوں کو بھی نظم ہی میں ظاہر کرتی ہیں۔ چنانچہ اس خصوص میں نجمہ تصدّق۔ صفیہ شمیم بلیخ آبادی۔ کنیز فاطمہ حیا۔ عزیز جہاں ادا بدایونی۔ نجمہ رحمت اللہ۔ عظمت اقبال شمع۔ مضمر رضویہ۔ صابرہ سلطان حزیں۔ ظریفہ۔ اختر قریشی پر دورِ حاضر کے مشہور رومانی شاعروں اختر شیرانی۔ عندلیب شادانی۔ احسان دانش۔ مجاز۔ جذبی کا رنگ غالب ہے۔

---

[1] تاج کمپنی لمیٹڈ۔

[2] ملاحظہ ہو قطعہ:

ہے تری یاد سے ہر ذرّہ سکوں کی تصویر
دلِ بے تاب کو میرے بھی قرار آجائے
قسمتیں گردشِ دوراں سے بدل جاتی ہیں
اس خزاں دیدہ چمن میں بھی بہار آجائے

رُومانی شاعری

اس صنفِ سخن میں خواتین نے بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ اس میں سانیٹ مسلسل نظمیں، قطعات سب ہی شامل ہیں۔ زیادہ تر دَورِ حاضر کی شاعرات نے اس طرف توجہ کی ہے۔ جن میں کنیز فاطمہ حیاؔ۔ نجمہ تصدق۔ صفیہ شمیم۔ عزیز جہاں اداؔ۔ اختر قریشی۔ نجمہ رحمت اللہ۔ مضطر رضویہ۔ صابرہ سلطان حزیںؔ۔ آمنہ برجیس کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

رُومانی طویل نظمیں لکھنے کے لیے کنیز فاطمہ حیاؔ۔ اختر قریشی۔ صفیہ شمیم نجمہ رحمت اللہ۔ صابرہ سلطان حزیںؔ مشہور ہیں۔ لطیف جذبات۔ مترنم بحریں۔ شیریں الفاظ ان کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔

ملاحظہ ہو کنیز فاطمہ حیاؔ کی نظمیں حرفِ شکایت[1]۔ التجا[2]۔ ایک آرزو[3]۔

---

[1] حرف شکایت میں شاعرہ اپنے محبوب کی شاکی ہے کہ اس نے ماضی کے خوشگوار آرزوکیوں بھلا دیئے۔ اب کیا بات ہوئی جو اگلی سی عنایات نہ رہیں ملاحظہ ہو پہلا شعر:

یہ کیا کہ میرے عشق کا چرچا نہیں کرتے :: پہلے کی طرح اب مجھے رسوا نہیں کرتے

[2] التجا۔ محبوب سے تجدید محبت کی التجا کی ہے کتنے لطیف پیرائے میں:

آہ بھی جاؤ کہ نئے سر سے محبت کرلیں :: دل کے ویرانے کو معمور مسرت کرلیں

[3] ایک آرزو بڑی لطیف نظم ہے۔ شاعرہ اس میں حال غم محبت سنانا چاہتی ہے۔ محبوب سے پوچھتی ہے: دل سے بھلا کے مجھ کو تم یاد کس لیئے ہو

میرے حریم دل میں آباد کس لیئے ہو

ناشاد کر کے مجھ کو دلشاد کس لیئے ہو

سچ سچ بتاؤ وقف بیداد کس لیے ہو؟

شکایت[۱]، اختر قریشی کی "کسی سے"، نجمہ رحمت اللہ کی "میرا انتظار کرنا" ــــ نجمہ تصدق اور صفیہ شمیم رومانی شاعری کرتی ہیں۔ صفیہ شمیم مسلسل غزلیں خوب لکھتی ہیں[۳]۔ نجمہ تصدق سانیٹ، قطعات، مفردات اور غزلیں سب ہی اصناف میں طبع آزمائی کرتی ہیں[۴]۔ عزیز جہاں اداجذبات کا اظہار خوب

۱۔ اس میں شاعرہ ایک فراموش کار سے متنفر ہے کتنے لطیف پیرائے میں:

تمھیں نے کی تھی محبت کی ابتدا کہ نہیں
تمھیں نے درس غم دل ہمیں دیا کہ نہیں
کہا تھا عہدِ محبت کبھی نہ بھولیں گے
مگر یہ عہدِ محبت بھلا دیا کہ نہیں

۲۔ "کسی سے"۔ اختر قریشی کی ایک طویل رومانی نظم ہے۔ نظم کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں اپنی وفا کا یقین دلایا ہے۔ دوسرے میں اپنی حالت دکھائی ہے۔ آخر میں عہد محبت کی استواری کا اظہار کیا۔

یہ ناممکن جفاؤں سے تیری مایوس ہو جاؤں
یہ ناممکن کہ ناکامی سے میں مانوس ہو جاؤں
تری بے اعتنائی مجھ کو برہم کر نہیں سکتی
مری آزاد فطرت غم سے سرِ خم کر نہیں سکتی

۳۔ ملاحظہ ہو ان کی مسلسل غزلیں "نہ پوچھئے"۔ "کیوں"۔ "میرے لیے" یہ جوش کے رنگ میں کہی گئی ہیں۔ لیکن جوش کے کلام میں صرف جوش ہے صفیہ شمیم جذبات کے مضراب سے بابِ دل کو مرتعش کرتی ہیں۔

۴۔ نجمہ تصدق کی شاعری انگریز شاعرہ الزبتھ بیرٹ براونگ سے ملتی جلتی ہے۔ ان کی غزلیں بھی اچھی ہیں۔ ان کے جذبات کا اظہار بے باکانہ ہے۔ حسن و عشق کے جذبات کی اچھی عکاسی کرتی ہیں قطعات اور مفردات اچھے ہوتے ہیں ملاحظہ ہوں (باقی برصفحہ آئندہ)

کرتی ہیں۔

اخلاقی شاعری کے لحاظ سے بشیر النساء بشیر[1]۔ سیدہ سردار اختر[2] گوہر اقبال حور۔ خورشید اقبال حیا۔ تیمور جہاں حجاب۔ وحیدہ نسیم۔ روحی علی اصغر بانو طاہرہ سعید بہت مشہور ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۱)

غم نہ کر للہ اتنا غم نہ کر میرے لیے — زندگی کیا ہے فقط ناکامیوں کا نام ہے
چاندنی ہے بہار خلوت ناز — ان کی باہوں میں جھوم جانے دے

تجھ کو اپنے قریب پاتی ہوں — دل پہ چھایا ہوا ہے تیرا خیال
کیا تجھے بھی میں یاد آتی ہوں — کتنا نازک ہے تجھ سے میرا سوال

۵ ملاحظہ ہو عزیز جہاں ادا کی نظم "احساس اولین"۔ آخری شعر کتنا بلند ہے۔

گھٹ کے روتے ہیں صدمے سہتے ہیں — کیا محبت اسی کو کہتے ہیں

۱ بشیر النساء بشیر حیدر آباد دکن کی مشہور شاعرہ ہیں۔ ان کے طویل نظمیں رافت سلطانی نقوش کامل۔ قائد ملت وغیرہ علیحدہ علیحدہ پمفلٹوں کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں۔ ان کے بحریں مترنم۔ الفاظ شیریں اور جذبات پاکیزہ ہوتے ہیں۔ طویل نظموں میں اقبال کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے کلام کا مجموعہ "آبگینۂ شعر" مکمل ہو چکا ہے اور زیر طبع ہے۔

۲ سیدہ سردار اختر کی شاعری بھی اخلاقی اور قومی شاعری کی صنف میں رکھی جا سکتی ہے گو انھوں نے رومانی نظمیں اور غزلیں بھی لکھیں۔ ملاحظہ ہوں ان کی نظمیں "وطن کا سپاہی"۔ "سنگاپور میں مسلم دوشیزہ کو محو رقص و ساز دیکھ کر"۔ لیکن زیادہ تر اخلاقی نظمیں کہتی ہیں۔ گوہر اقبال حور۔ خورشید اقبال حیا اور تیمور جہاں حجاب کا بھی یہی حال ہے۔

انشائیہ نگاری

ادبی

۱۔ خلوت کی انجمن۔	حجاب امتیاز علی
۲۔ نغمات موت۔	〃
۳۔ ادب زرّین	〃
۴۔ جمال ہم نشین۔	خاتونِ اکرم
۵۔ لالہ زار۔	محمودہ رضویہ
۶۔ کہکشاں۔	〃
۷۔ دردانہ۔	〃
۸۔ ارمغاں۔	〃
۹۔ کوہسار۔	〃
۱۰۔ آبشار۔	〃

اصلاحی

۱۔ سوتیلی ماں	رابعہ بیگم حیدر آبادی
۲۔ من کی بپتا	لطیف النساء بیگم
۳۔ گداگری	سارہ بیگم

۴۔ فتراک	جہاں بانو بیگم
۵۔ نذر دکن مولفہ	سکینہ بیگم
۶۔ رسائل طیبہ	〃
۷۔ مقالات صغرا	صغرا ہمایون مرزا
۸۔ ہمت نسوان	و۔ا۔ صاحبہ (بلقیس بیگم)
۹۔ لعل و گوہر (نصائح کا مجموعہ)	رضیہ سلطانہ
۱۰۔ علم خانہ داری	محمودہ صدیقی
۱۱۔ ایضاً	ممتاز شاہ نواز
۱۲۔ ایضاً	جہاں بانو بیگم
۱۳۔ فرائض النساء	میمونہ سلطان شاہ با
۱۴۔ فرائض مادری	〃

مکاتیب

۱۔ جدید اُردو زنانہ خط و کتابت۔	وزیر بیگم ضیاؔ
۲۔ انشاء نسوان	ع۔ ف۔ خانم
۳۔ تحریر النساء	صغرا ہمایون مرزا
۴۔ عورتوں کی انشاء	بیگم صفدر علی
۵۔ بربط ناہید	جہاں بانو بیگم
۶۔ رضیہ کے خطوط	رضیہ سلطانہ

تاریخی

۱۔ آغازِ اسلام ۔ میمونہ سلطان شاہ بانو

۲۔ خلافتِ راشدہ ایضاً

۳۔ تاریخ ہند کی کہانیاں محبوب سلطانہ

۴۔ تاریخ دکن کی دلچسپ حکایات ۔ مسز سراج الدین طالب

۵۔ مستورات جاپان چین و تبت ۔ مسز سردار خاں ۔

۶۔ بھگوت گیتا کا ترجمہ ۔ مسز برکت رائے ۔

مضمون نگاری

مضمون نگاری کی ابتداء اٹھارھویں صدی کے وسط ہی میں ہوئی اُردو اخبارات عالم وجود میں آئے ۔ خواتین میں مضمون نگاری کی نسوانی رسالوں کے اجراء کے بعد ہوئی ۔ ان نسوانی رسالوں میں ن چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے لگیں ۔ پہلے ان کے مضامین اصلاحی ی اخلاقی ہوتے تھے ۔ پھر انگریزی کی تقلید میں مختصر ادبی مضامین کو

بی مضامین کو روشناس کرانے والے یوں تو سرسید اور ان کے رفقاء ہیں (ملاحظہ ہوں سرسید کے مضامین ی خوشی" وغیرہ ۔ حالی کا "زبان" وغیرہ) ان کے بعد موجودہ زمانے میں نیاز فتحپوری اور سجاد حیدر نے ز کو مقبول بنایا ۔

فروغ ہوا۔ نیاز نے ٹیگور کے شہ پاروں کو اُردو میں منتقل کیا۔ انیسویں صدی کے اوائل کے اکثر ادیب اس "ٹیگوریت" سے متاثر ہیں۔ اس خصوص میں خلیقی دہلوی کی ادبستان۔ نیاز کی جمالستان وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

خواتین میں یہ صنف تحریر خاصی مقبول ہوئی۔ بہت سی خواتین نے اس قسم کے مضامین کے مجموعے طبع کروائے۔ انیسویں صدی کے اوائل کی لکھنے والیوں میں یعنی (Pioneers) میں محترمہ عباسی بیگم (والدہ حجاب امتیاز علی) کا مجموعہ مضامین "گل صحرا" خاص اہمیت کا مالک ہے۔ اس میں انھوں نے مختصر فلسفیانہ شاعرانہ مضامین انگریزی کی تقلید میں لکھے ہیں۔ اس صنف کو ان کی دختر حجاب امتیاز علی نے عروج پر پہنچایا۔ چنانچہ ان کے دل آویز شاعرانہ مضامین کے مجموعے "خلوت کی انجمن"[1]، "نغماتِ موت"[2]۔ "ادبِ زرین"[3] کے ناموں سے طبع ہو چکے ہیں۔

"خلوت کی انجمن" میں حجاب کے بیس افسانوی ادبی مضامین شامل ہیں۔ ان میں ادبیت کے ساتھ تفکر ملا ہوا ہے۔ "عورت بحیثیت ماں" کتاب دوستی کا ایک دل خراش ورق۔ ہر ایک کا نیا لال ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اس میں حجاب کا مخصوص طرزِ نگارش اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ گو ان کی نثر میں شعریت بھری ہے۔ لیکن موقع بہ موقع وہ اشعار بھی لکھ جاتی ہیں جو مضامین کا لطف بڑھا دیتے ہیں۔ "اباجان کی گھڑی" بظاہر معمولی لیکن اپنے اندر گہری معنویت لیے ہوے ہے۔ ان مضامین ہیں انگریز انشاء پردازوں کی جھلک ہے۔

---

۱ مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب (لاہور) ۲ مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔ ۳ مطبوعہ عصمت بک ڈپو۔

غزل گوئی ـــــ ابھی خواتین میں محبوب ہے، اکثر خواتین کی غزلوں
یم رنگ جھلکتا ہے، نیر فاطمہ نیرؔ[1] (حیدر آبادی) صابرہ سلطان حزیںؔ[2]
درق۔ نسیمہ سوز۔ ظریفہؔ[3]۔ عبرتؔ[4]۔ روحی علی اصغر۔ بانو طاہرہ سعید
یں۔

نیچرل شاعری ـــــ نیچرل شاعری میں ہر ایک خاتون نے طبع آزمائی
۔ جتنے مجموعے طبع ہوتے ہیں اس میں زیادہ تر تعداد اسی نظموں کی
لہذا اس خصوص میں اور کچھ لکھنا بیکار ہے۔

عام تبصرہ

پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے اُردو شاعری میں ایک نئی تحریک چل رہی
نظم معریٰ لیکن خواتین کا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین میں
زیادہ مقبول نہیں ہوئی۔ ابھی تک خواتین کو ردیف و قافیے کا ترنم
ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خیالات ترقی پسند ہیں۔ لیکن طرزِ بیان

---

[1] نیرؔ فاطمہ کا یہ شعر:

دوش پر آرزو کا بارِ گراں ... یہ مصیبت بھی تو اٹھانی ہے

[2] ... ربط ضبط کہاں تک سنبھالے جاؤں میں
کہ دل کا خون ہو اور مسکرائے جاؤں میں

[3] ... شعر کتنا بلند ہے: جذبات کی رَو میں مجھے معبود بنا کر
اے کاش تم اپنے کو گنہگار نہ کرتے

[4] ... وعدہ کر گئے دلِ بیقرار سو جا ... ہیں دروغ ان کی قسمیں کر اعتبار سو جا

ہیں وہ رجعت پسند ہیں۔

پچھلے چند سالوں سے اُردو ادب میں گیتوں کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے۔ خواتین میں بھی اس ذوق کی ابتدا ہوتی ہے۔ گو ابتک اچھے گیتوں کا کوئی مجموعہ خواتین کا لکھا ہوا منظرِ عام پر نہیں آیا۔ لیکن گیت مالا[1] میں راجکماری اور عام رسائل میں نوبیلا سنگھار۔ نسیمہ اختر وغیرہ کے گیت دیکھنے کا ملتا ہوتا ہے۔ گیت مالا میں راجکماری کا موثر گیت شامل ہے۔ اظہارِ خیال کے لیے ہندی بحر پنگل کا استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شعر

میں تھی ہار گلے کا اتار گئے
مجھے سپنا سمجھ کر بسار گئے

---

[1] گیت مالا کو صلاح الدین اور میراجی نے مرتب کیا۔

"نغمات موت" اور "ادب زرین" ــــ میں چھوٹے چھوٹے دل
مضامین شامل ہیں۔ حجاب کے بعد اس خصوص میں خاتون اکرم کو
حاصل ہے۔ خاتون اکرم کی زبان میں ادبیت ہے۔
جمال ہم نشین ــــ خاتون اکرم ۲۰ شہ پاروں کا مجموعہ ہے۔ اس
حیات انسانی کا گہرا مطالعہ۔ فطرت نسوانی کے صحیح احساسات زندگی
تغیرات اور زمانہ کے اتفاقات ادبی پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ تخیل
رفعت۔ زبان کی شیریں۔ عبارت کی سلاست قابلِ تعریف ہے۔

معصومہ بیگم حسین علی خاں

یہ وہ خواتین ہیں جنھوں نے صرف ادب سے اپنا رشتہ استوار رکھا۔ لیکن بعض ایسی بھی خواتین
ہیں جو انگریزی، اُردو فارسی ادب پر بے مثل عبور رکھتے ہوئے سماجی رفاہ
سماجی بہبود کے کاموں میں بھی پیش پیش ہیں۔
سروجنی نائیڈو کے وطن حیدر آباد نے ایک اور قابل ہستی
معصومہ بیگم حسین علی خاں کو بھی جنم دیا۔ جو سروجنی نائیڈو ہی کی طرح ادب
اور سماج دونوں سے رشتے استوار رکھتی ہیں۔
معصومہ بیگم عماد الملک کی نواسی اور طیبہ بیگم خدیو جنگ کی دختر
نیک اختر ہیں۔ یہ دونوں نام معصومہ بیگم کی ادبی اور علمی صلاحیتوں کو
اجاگر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کا بچپن اُن بزرگوں کے سایۂ عاطفت
میں گزرا جو اُردو کے صاحب طرز ادیب ہی نہیں، سرپرست بھی تھے۔ پھر
رفیقِ زندگی ملے حسین علی خاں جو انگریزی کے بلند پایہ ادیب ہی نہیں

بے مثال معلّم بھی تھے۔ ایسے معلّم جن کے آگے آکسفورڈ اور کیمبرج کے انگریز زانوئے ادب تہِ کرتے۔ اس طرح معصومہ بیگم کو بچپن اور جوانی میں ادبی ماحول ملا۔ جس نے ان کی فطری صلاحیتوں کو آب و تاب دی۔ ہیرا یوں بھی قیمتی ہوتا ہے۔ اور تراشنے کے بعد اس میں جو جِلا پیدا ہو جاتی ہے وہی کیفیت معصومہ بیگم کی بھی ہوئی۔ گویا سونے پر سہاگہ کا مصداق ہوا۔ معصومہ بیگم یوں تو آندھرا پردیش کی خاتون وزیر اور سوشل ورکر کی حیثیت سے ہندوستان کی دُنیا میں روشناس ہیں لیکن ایک اور پہلو جس پر بہت کم نظریں پڑیں اور جسے انھوں نے چھپائے رکھا وہ ہے ان کی اُردو تحریریں اور تقریریں۔ معصومہ بیگم کے مضامین میں اپنے نانا کی علمیت اور ماں کی شگفتگی اور سلاست ہے۔ ان کا اسلوب رواں سادہ اور مؤثر ہے۔ ان کے تقاریر اور خطبات زیرِ طبع ہیں لیکن چند مضامین جو خطبے استقبالیے اور صدارتی خطبوں کی طرح چھپ چکے ہیں اہلِ نظر کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ یہ خیال انگیز اور خیال آفریں ہیں۔ جو خواتین کے تحریروں میں بڑی تعریف کی چیز ہے۔ یہ ان مسائل کو لے کر اٹھتی ہیں جس پر بڑے بڑے مرد لکھنے والوں کے ذہن کی رسائی بھی مشکل سے ہوتی ہے۔ اِن کے چند مضامین جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئے درجِ ذیل ہیں:۔

(۱) مثالی عورت اقبال کے انسانِ کامل کی طرح معصومہ بیگم نے

مثالی عورت کے کردار کو واضح کیا ہے۔ ان کے خیال میں عورت
، کی خوش نما اور نظر فریب تتلی نہیں۔ کائنات کا " "اور انسانیت
ہے۔ اسی کے ہاتھوں نے سماج کے "مزاج" کو ایک "نظام" اور
تایا ہے۔ اسی نے مرکز گریز مرد کو مرکز کی طرف مائل کیا ہے۔
معاشرت اور اخلاق کو جنم دیا، اسی نے تہذیب و تمدن کے
روشن کیا اور تھپیڑوں سے بچائے رکھا۔ اس نے معصوم اور
ں پر بھائے رکھے۔ وہ زخم نہیں مرہم ہے، وہ زہر نہیں تریاق
سنگ نہیں آئینہ ہے۔ وہ حنظل نہیں نوشینہ ہے۔ ان کا
کا دوسرا مضمون "آج اور کل" ہے جس میں قوم کے ماضی حال
ں کا نہ صرف عالمانہ بلکہ مفکرانہ جائزہ لیا ہے۔
وں نے موجودہ ملک و قوم کو برائیوں اور بھلائیوں سے آگاہ کر دیا ہے۔
م "کیوں کر ترقی کر سکتی ہیں۔" ایک خطبہ ہے جو انھوں نے مدراس
نس کی صدارت کے موقع پر دیا تھا اس میں خواتین کے سامنے
لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔
کے سوا ان کے بیسیوں تقاریر اور مضامین مختلف موقعوں پر
ا۔ موجودہ زمانے میں مختصر مضامین کی طرف اور جس خاتون
ے وہ ہیں محمودہ رضویہ۔ ان کی ادبی مضامین کے چھ مجموعے
شاں۔ دُر دانہ۔ ارمغاں کوہسار۔ آبشار۔ انجمن ترقی
سے طبع ہوے ہیں۔ محمودہ رضویہ کے مضامین کے ان چھ مجموعوں

میں مختصر ادبی مضامین شامل ہیں۔ زبانِ لطیف ہے۔ خیالات بھی لطیف
مصنفہ نے نثر میں شاعری کی ہے۔ کاروانی "دردانہ" کے تعارف میں
لکھتے ہیں:۔

"اس قسم کے مضامین اُردو زبان میں آج تک میری نظر سے
نہیں گزرے۔ مغربی ادب کا ایک لازمی جزو قرار دیئے گئے ہیں۔
جو مضامین یا مقالے اُردو میں موجود ہیں ان میں فطرت کا صرف
ایک پہلو پیش کیا گیا ہے۔ اور وہ ہے معروضی پہلو ان کے مطالعے
سے قارئین کی معلومات میں اضافہ تو ہوتا ہے لیکن موضوعی پہلو
مفقود ہونے کی وجہ سے مضمون نگار یا مقالہ نویس کے قلبی
احساسات اور ذاتی جذبات کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔"

اس نقطۂ نظر سے ان کی یہ تمام تصانیف ان کے جذبات و واردات
تصویریں ہیں۔ لیکن حجاب کی طرح وہ اس رنگ میں کامیاب نہیں۔ ان کی
میں فارسی اور عربی نے سنجیدگی پیدا کر دی ہے۔ جذبات پاکیزہ اور ز
سلجھی ہوئی ہے۔ محترمہ اگر فارسی اور عربی ترکیبوں سے احتراز کریں
اچھا ہوگا۔

ارمغان میں (۷۵)۔ لالہ زار میں (۶۵)۔ کہکشاں میں (۸۰) دُرد
میں (۵۸)۔ آبشار و کہسار میں کم و بیش (۶۰) مضامین شامل ہیں۔ بہ
سندھ کے ریگ زار میں انھوں نے اچھے لالے اُگائے ہیں۔ جس میں ر
اور تازگی بھی ہے اور سینہ میں داغ سیاہ بھی۔

اصلاحی مضامین ـــــ کا کافی ذخیرہ نسوانی ادب میں موجودہ ہے۔ لیکن کوئی مجموعہ اصلاحی مضامین کا شائع نہیں ہوا۔ علٰحدہ علٰحدہ پمفلٹوں کی صورت میں مضامین شائع ہوے ہیں جن میں رابعہ بیگم حیدرآبادی کی "سوتیلی ماں"[1]۔ لطیف النساء کی "من کی بپتا"۔ سارہ بیگم کا "گداگری"[3] آنسہ جمال کا "تدبیرِ منزل"[4] وغیرہ قابلِ ذکر ہے۔ "مقالاتِ صغرا" صغرا ہمایون مرزا کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ یہ تقاریر معاشرتی۔ اصلاحی۔ مذہبی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں منشی محبوب عالم نے خواتین سے مضامین لکھوا کر "ہندوستانی عورتوں کے مضامین" کے نام سے طبع کروائے اس مجموعے میں خواتین کے نام درج نہیں۔ لیکن مَردوں کی شہادتیں شامل ہیں کہ یہ خواتین کے لکھے ہوے ہیں۔ سکینہ بیگم مدیر "سب رس" دورِ حاضر کی اچھی مضمون نگار خاتون ہیں۔ ان کا طرز اپنی والدہ طیبہ بیگم خدیو جنگ سے ملتا ہوا "مدلّل اور دل نشین" ہے۔ گو ان کے مضامین کا مجموعہ طبع نہیں ہوا۔ لیکن انھوں نے دو مجموعے "نذرِ دکن"۔ "رسائل طیبہ" مرتب کئے ہیں جو طبع ہو چکے[5]۔ نذرِ دکن میں سکینہ بیگم صاحبہ نے دکھن کی مختلف اہلِ قلم خواتین سے دکھن کے متعلق مضامین لکھوا کر کتابی صورت میں

---

[1] مطبوعہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سوتیلی ماؤں کا اولاد کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے۔

[2] ۔ میں گھریلو زندگی کے مشکلات اور ان کا حل بتایا ہے۔ [3] مطبوعہ ادارۂ ادبیات اُردو

[4] حریم بک ڈپو۔

[5] مطبوعہ ادارۂ ادبیاتِ اُردو۔

شائع کروایا۔ "رسائلِ طیبہ" ان کی والدہ بیگم خدیو جنگ کی تقاریر، خطوط اور مضامین کا مجموعہ ہے۔

موجودہ دَور میں سلطانہ فاضیہ۔ ثریا عندلیب شادانی جمیلہ بیگم کلکتہ۔ وحیدہ عزیز۔ شائستہ اختر سہروردی اچھی لکھنے والیاں ہیں۔ شائستہ اختر کو ادق اور مشکل سیاسی مسئلوں کو سلیس اور عام فہم زبان میں لکھنے میں ملکہ حاصل ہے۔

جہاں بانو نے اصلاحی مضامین کو "طنز" کے پیرائے میں لکھ کر اُردو ادب میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ان کے مضمونوں کی خصوصیت ہلکا پھلکا طنز ہے۔ جس نے ان کے اسلوب کو "انفرادیت" دے دی ہے۔ اسی لیے جہان بانو کا شمار دَورِ حاضر کی "صاحبِ طرز" لکھنے والیوں میں ہے۔ ان کے اصلاحی مضامین کا مجموعہ "فتراک" کے نام سے شائع ہو۔ جس میں "فتراک" طبع ہو چکی۔ "فتراک"[۱] میں جہاں بانو نے بے جا رسوم۔ مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن اور دُنیا کی ریاکاری کو نشانہ کیا ہے۔ اس میں ان کی دُوربیں نگاہیں ہر شئے کا تجزیہ کرنا چاہتی ہیں مضمون نویسی کی ایک اصلاح یافتہ شکل "مکتوب نویسی" ہے۔ مکتوب کی شکل میں مضمون لکھنے کا رواج خواتین میں بہت عام ہوا۔ ن۔ ن۔ جھنگ۔ جہاں بانو۔ صغرا ہمایوں مرزا۔ ع۔ ف۔ خانم نے اس طرز

---

[۱] دفتر شہاب۔ بیرون دبیر پورہ حیدر آباد دکن سے طبع ہوئی۔

توجہ کی جہاں بانو کے خطوط کا مجموعہ "بربطِ ناہید" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

"بربطِ ناہید"[1] سہیلیوں کی آپس کی دلچسپ خط و کتابت ہے۔ زبان کی لطافت کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ اصلاح کا رنگ غالب نہیں۔ ادبیت اور شعریت چھائی ہوتی ہے۔ پڑھنے والا اسلوب کی دلکشی میں کھو جاتا ہے۔ جہاں بانو کی تحریر کی دوسری خصوصیت اشعار کا انتخاب ہے۔ وہ اشعار کا انتخاب بڑے ذوق اور سلیقے سے کرتی ہیں۔ شعر اتنا برموقع استعمال کرتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، وہ شعر اسی موقع کے لیے کہا گیا۔

ن۔ ن جھنگ نے زیب النساء میں "نسواں کے خطوط" کے نام سے خطوط کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ جس کی راقمہ ایک دیہاتی لڑکی کو فرضی کیا تھا جو اپنی شہری سہیلی کو دیہاتی رسم و رواج اور توہمات بتاتی ہے۔

صغرا ہمایون مرزا نے "تحریر النساء"[2] کے نام سے خطوط کا ایک مجموعہ طبع کروایا۔ اس کا مقصد جیسا کہ دیباچے میں بیان کیا گیا۔ خواتین کو مکتوب نویسی کی تعلیم دینا تھا۔ اس میں کوئی جاذبیت نہیں سیدھے سادھے طریقے سے خطوط لکھنے کے طریقے بتائے[3] گئے ہیں۔

رضیہ سلطانہ نے "زنانہ خط و کتابت" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ۔ف خانم نے چند خطوط کا مجموعہ "انشاءِ نسواں"[4] کے نام سے طبع کروایا

وعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن۔
بوعہ مطبع شمسی حیدر آباد دکن۔
وعہ عورتوں کا کتب خانہ دہلی۔
وعہ صدیق بک ڈپو دہلی۔

جو عام فہم اُردو، بیگماتی زبان میں لکھی گئی ہے۔

اصلاحی و فلاحی ادب

خواتین نے خالص ادبی نقطۂ نظر سے ہٹ کر بعض مفید موضوعات کی طرف توجہ کی ہے جس میں حفظِ صحت۔ علم خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشیات وغیرہ شامل ہیں۔

اس کی بنا بھی دورِ اوّل (انیسویں صدی کے اوائل) کی خواتین نے ڈالی جس میں سلطان جہاں بیگم کی تصانیف کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کی بہو میمونہ سلطان شاہ بانو ان کے ہی نقشِ قدم پر جادہ پیما تھیں۔ ان کی مندرجہ ذیل تاریخی کتابیں طبع ہوئیں۔

۱۔ آغازِ اسلام[1] ۔ ۲۔ خلافتِ راشدہ[2]

خانہ داری کے سلسلے میں فرائض النساء[3]۔ فرائضِ مادری[4]۔ حفظِ صحت کے متعلق "ہماری روح[5] کا گھر" مفید ہیں۔ علم خانہ داری پر بہت سی خواتین نے قلم اُٹھایا۔ جن میں ممتاز شاہ نواز۔ جہاں بانو۔ محمودہ صدیقی آنسہ جمال۔ سیدہ[6] بیگم وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ جن کی کتابیں خانہ داری کے متعلق شائع ہو چکی ہیں۔

---

[1] مکتبہ ابراہیمیہ ۔ [2] مکتبہ ابراہیمیہ۔ [3] مکتبہ ابراہیمیہ ۔
[4] مکتبۂ ابراہیمیہ ۔ [5] مکتبۂ ابراہیمیہ ۔
[6] سیدہ بیگم کی کتاب "مشاطہ" میں خواتین کو مفید مشورے دیئے گئے ہیں جسمانی و آرائش کے اصول بتائے ہیں۔

طبی مضامین کے قابلِ قدر مجموعے حسبِ ذیل ہیں۔ تندرستی ہزار نعمت ہے از زہرہ بیگم فیضی آرایش جمال از وزیر بیگم حیا۔

تاریخی مضامین کے سلسلے میں مسز سراج الدین طالب کی تاریخِ دکن کی دلچسپ حکایات۔ محبوب سلطانہ کی "تاریخ ہند کی کہانیاں"، خجستہ سلطانہ کی "تاریخی کہانیاں" قابلِ ذکر ہیں۔ مذہب ہندوستانی خواتین کا دلپسند موضوع رہا ہے۔ مذہبی مسائل پر بھی بہت سی خواتین مضامین لکھا کرتی ہیں۔ مسز برکت رائے کا بھگوت گیتا کا اردو ترجمہ اور نیرہ بانو کا دین حق کی "اقوال زرتشت" طبع ہو چکے ہیں۔

اس کے علاوہ کھانے پکانے کے موضوع پر بہت سی خواتین نے کتابیں لکھی ہیں۔

مزاح نگاری

۱۔ تحفے اور دیگر شگفتہ افسانے	حجاب امتیاز علی
۲۔ دوشالہ	آمنہ نازی
۳۔ گلِ خنداں	آصف جہاں بیگم بلگرامی
۴۔ لطائف غالب	مسز ایم۔ شاہ
۵۔ ہنسی کی باتیں	آمنہ نازی

یہ بتانا مشکل ہے کہ اردو میں "مزاح نگاری" کی ابتدا کب ہوئی یوں تو مرزا رفیع سودا کی ہجویات اور میر جعفر زٹلی کی مضحکات کو مزاح نگاری

میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شایستہ مزاح اور ہجو میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہجو میں افراد کی کمزوریوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ مزاح کا مطلب یہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تحریر کے ذریعے انسان کے دماغ اور احساسات پر ایسی لطیف و شگفتہ کیفیت طاری کرنا جس سے اس کے لبوں پر ہلکا سا تبسم آجائے۔ مزاح نگاری شاعری کے مماثل ہے۔ اگر شاعر کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پیدا ہوتا ہے تو مزاح نگار کے متعلق بھی یہی حکم لگانا پڑتا ہے۔ کیونکہ مزاح نگاری کا انحصار افتاد طبع پر ہے۔ کوئی فطرتاً رجائی ہوتا ہے اور کوئی فطرتاً قنوطی۔ کسی کی نظریں پھول ہی پھول دیکھتی ہیں تو کسی کی بصارت خاروں ہی تک محدود رہتی ہے۔

ہندوستانی خواتین کی زندگی میں "نشاط" سے زیادہ "غم" کا عنصر شامل ہے۔ سماجی ماحول۔ اقتصادی کساد بازاری۔ سیاسی غلامی نے چہل اور زندہ دلی اس ملک سے چھین لی۔ چنانچہ ہندوستان کے ادب پر بھی اس کا پرتو ہے۔ ہندوستانی ادب ان ہی حالات کا پروردہ ہے۔ اس سے زیادہ تر حزنیہ ہے۔

خواتین کی مزاح نویسی کی طرف مائل نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مزاح میں بعض وقت شوخیانہ پن آجاتا تھا۔ جو دائرۂ تہذیب سے گزر جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین نے اس طرف بہت کم توجہ کی۔ ابھی تک جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں حجاب امتیاز علی کے مزاحیہ افسانوں "تحفے" کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ "تحفے" حجاب کے ساتھ شگفتہ افسانوں کا مجموعہ

فسانے ان کے طبع زاد ہیں لیکن انگریزی کا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔
ہایت پُر لطف ہیں جس کو حجاب کی مخصوص طرز نگارش نے اور دلچسپ
اس مجموعے کا ایک افسانہ الف لیلیٰ کی دوراتیں ہے۔ اس کا پلاٹ
ظر میں غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ایک چور کو شوہر کا رشتہ دار
تا ہے اور چور صاحب کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے جو نہایت
سے میزبانی کے مزے اُٹھاتے ہوئے اسباب لے کر فرار ہو جاتے
اس کا خمیازہ شوہر کے والد کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ جن پر چور کا شُبہ کیا
۔ اس جھوٹ کو حجاب نے اس پر لطف طریقے سے پیش کیا ہے کہ
ھ کر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ اس طرح ان افسانوں میں ایک کردار
" ہے۔ یہ شیکسپیر کے مزاحیہ کرداروں کی طرح مکالمہ میں افعالِ ناقص
"کرم" "پیچش" پوچش وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ آخری افسانہ
" پُر لطف طنز ہے۔ جس میں بے جوڑ شادی کا دلچسپ
۔ ان کی یہ "چٹکی" واقعی افسانوں کی جان ہے۔ "
نی جگہ خوب ہے۔ حجاب کے بعد آمنہ نازلی کے مزاحیہ ڈراموں
الے" کا درجہ ہے۔ دوشالہ میں آمنہ نازلی کے ۱۳ چھوٹے ڈرامے
ے خاکے شامل ہیں۔ زبان پاکیزہ اور ظرافت سنجیدہ ہے۔ دیہاتیوں
رتوں کی زبان بڑی دلفریب ہے۔ ان کے تمام ڈرامے ہماری روزانہ
کے آئینہ دار ہیں۔ کردار نگاری بہت جان دار ہے۔ یہ ظرافت نگاری کا

ہ عصمت بک ڈپو دہلی۔

بہت اچھا نمونہ ہے۔

آصف جہاں[1] بلگرامی کے مضامین جو "گلِ خنداں"[2] کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ مزاح نگاری میں ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ فرحت اللہ بیگ نے اور دیباچہ نصیر الدین ہاشمی نے تحریر کیا ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے بالکل ٹھیک لکھا کہ:

"ہم سمجھتے تھے مزاحیہ مضامین لکھنا صرف مَردوں ہی کا حصہ ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ صنفِ نازک بھی ہماری حصہ دار بن گئی۔"

"گناہ دروغ برگردن"۔ "شاپنگ" "بیماری" کامیاب مضمون ہیں۔ ان کے طرز میں شوکت تھانوی اور پطرس کا رنگ جھلکتا ہے۔

مسز ایم شاہ نے غالبؔ کے لطائف یکجا کئے ہیں[3]۔ اس میں شاعرِ اعظم کے مشہور لطیفے جو زبان زدِ خاص و عام ہیں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

"ہنسی[4] کی باتیں" اس کتاب میں آمنہ نازلی نے خواتین کے لکھے ہوئے لطائف کو جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض افسانوں اور ناولوں میں مزاحیہ کردار ملتے ہیں مثلاً اے۔ آر۔ خاتون کے ناول شمع میں "طاہر"۔ شوکت آرا میں "سروری" وغیرہ۔

عصمت چغتائی کے بعض کردار شگفتگی کا نمونہ ہیں۔ ان کے ڈرامے

---

[1] آصف جہاں حیدر آباد دکن کی ایک نوخیز لکھنے والی ہیں۔
[2] ان کے یہ مضامین تہذیب میں شائع ہوئے ہیں جن کو اب کتابی صورت میں طبع کر دیا گیا۔
[3] مکتبہ پنجاب سے طبع ہوئے۔
[4] عصمت بک ڈپو لاہور۔

"بنے" کا ہیرو ایک شریر نٹ کھٹ کھلنڈرا لڑکا ہے۔ اسی طرح ان کے دیگر افسانوں کے کردار ہیں۔

موجودہ دَور میں اس صنفِ ادب کی طرف خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ ممکن ہے مستقبل میں چند اچھی مزاح نگار پیدا ہو جائیں۔ موجودہ لکھنے والیوں میں آصف جہاں بلگرامی۔ آمنہ نازلی۔ سیدہ زہرا رضویہ وغیرہ مزاحیہ اچھے مضامین لکھتی ہیں۔ سیدہ[1] زہرا رضویہ کے مضامین "بدصورت بچے"۔ بے چاری لڑکیاں۔ "تار" وغیرہ خاصے دلچسپ ہیں۔

سیرت نگاری

۱۔ حیاتِ اشرف (اشرف النساء بیگم معلمہ کی سوانح عمری)
از محمدی بیگم اڈیٹر تہذیب

۲۔ سیر مصطفےٰؐ — سلطان جہاں بیگم ملکہ بھوپال

۳۔ بی بی فاطمہؓ کے مختصر حالات — صغرا ہمایون مرزا

۴۔ ذکرِ مبارک — میمونہ سلطان شاہ بانو
(ملکہ موجودہ بھوپال)

۵۔ بیگماتِ بھوپال — بلقیس بیگم (و۔ ا۔ صاحبہ)

---

[1] ۔ اورنگ آباد دکن کی نوخیز لکھنے والی ہیں۔

۶۔ خادماتِ خلق	از سیّدہ خاتون
۷۔ شہزادی جہاں آراء	مسز ضیاء الدین برنی
۸۔ خاصانِ خدا	مصطفائی بیگم
۹۔ نامور خواتین اُندلس	مہر النساء بیگم
۱۰۔ قائدِ اعظم	مسز رفیعہ شریف
۱۱۔ نیرنگیٔ بخت	وزیر سلطان جالندھری
۱۲۔ رُوس کی عورتیں	رضیہ ظہیر
۱۳۔ محمّد حسین آزاد	جہاں بانو بیگم ام۔ اے
۱۴۔ تاجدارِ مدینہ	ریاض فاطمہ
۱۵۔ شمس بازغہ	آنسہ محمودہ رضویہ
۱۶۔ زرتشت	منیرہ بانو کاوس جی
۱۷۔ اشوکِ اعظم	سیّدہ جعفری

سیرت نگاری

سیرت نگاری کی طرف اُردو ادب میں خاطر خواہ توجہ نہیں
حالانکہ متمدن قوموں نے سیرت نگاری کو کم و بیش ایک خاص
دے دی ہے[1]۔ یونانِ قدیم میں پلوٹارک اس فن کا ماہر ہوا

---

[1]۔ دیکھئے مقدمہ مشاہیر یونان و روما از پلوٹارک مترجمہ ہاشمی فرید آبادی (مقدمہ ڈاکٹر

مشاہیر یونان و روما لکھی تھی جس نے کئی نوجوانوں کی زندگی سُدھار دی۔

اُردو میں سیرت کی اچھی کتابیں مفقود ہیں، اس کا سبب لوگ قوم و ملک کا زوال بتاتے ہیں۔ یہ غلط ہے ہندوستان میں قحط الرِجال نہیں۔ یہاں بڑے بڑے شاعر۔ عالم فاضل مصنف محبِ قوم جنم لیتے ہیں لیکن ان کی زندگی کو ریکارڈ کرنے کا خیال لوگوں کو بہت کم آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو میں چند ہی مشہور سیرتیں مِلتی ہیں۔ جیسے حیاتِ جاوید۔ یادگارِ غالب الفاروق۔ المامون۔ سیرت النبیؐ وغیرہ۔

خواتین میں اول تو مشاہیر کم گزری ہیں اور جو ہوئیں بھی ان کے حالات لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ ہندوستان کا ماحول اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ کسی مرد کے حالات قلمبند کریں اس لیے خواتین نے اکابرِ اسلام اور بانیٔ اسلام کی سیرتیں لکھیں۔ چنانچہ اکثر خواتین کی لکھی ہوئی سوانح عمریاں پیغمبرِ صلعم کے متعلق ہیں۔ سب سے پہلے خواتین میں سیرت نگاری کی طرف اُنیسویں[۱۹] صدی کے اوائل میں کئی خواتین نے توجہ کی۔ سلطان جہاں بیگم ملکۂ بھوپال نے پہلے "سیرت مصطفےٰؐ" آنحضرت صلعم کی سوانح حیات لکھی۔ محترمہ سلطان جہاں نے اپنی نانی کی سوانح حیات بھی "حیاتِ قدسیہ" کے نام سے اور خود اپنی سوانح عمری تزکِ سلطانی کے نام سے لکھی۔ مصطفائی بیگم نے "خاصانِ خدا"[۲] کے نام سے اصحابِ رسول کے حالات لکھے۔ ان کے

۱؎ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن۔

۲؎ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن۔

بعد محمدی بیگم مرحومہ نے "حیاتِ اشرف"[1] اشرف النساء بیگم کی سوانح عمر لکھی۔ محمدی بیگم نے بڑی تفصیل سے اور بڑے دلچسپ پیرائے میں ان کی حیات کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ نیز ان کے اخلاق۔ کردار کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ یہ ایک دلچسپ کتاب ہے۔

صغرا ہمایون مرزا نے "بی بی فاطمہؓ"[2] کے مختصر حالات لکھے۔ و۔ا۔ نے "بیگماتِ بھوپال"[3] کے نام سے بھوپال کی حکمران خواتین کے حالات لکھے ہیں اس میں شک نہیں کہ محترمہ نے یہ کتاب نہایت محنت اور سلیقے سے مرتب کی۔ بڑی محنت سے خواتین کے حالات جمع کئے۔ اور ان کی تصنیف و تالیف کے متعلق بہت تحقیق سے لکھا ہے۔ و۔ا۔ صاحبہ کی یہ تصنیف فن سیرت نویسی میں ایک کامیاب کوشش ہے۔

سیدہ خاتون نے "خادماتِ خلق"[4] کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں یورپ امریکہ کے بہادر جاں باز فاضلہ خواتین کے نتیجہ خیز حالات جمع کئے ہیں۔ طرز بیان سیدھا سادھا ہے۔

مسز ضیاء الدین برنی نے شہزادی جہاں آراء کی زندگی کے حالات "جہاں آراء بیگم"[5] کے نام سے لکھے۔ زیادہ تحقیق سے مواد فراہم نہیں کیا۔ عام قصے جمع کر دیئے ہیں۔

---

[1] دارالاشاعت پنجاب لاہور ۔ [2] شمس المطابع حیدر آباد دکن۔
[3] دارالاشاعت پنجاب لاہور ۔ [4] جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔
[5] عصمت بک ڈپو دہلی۔

مہر النساء کی تصنیف "نامور[1] خواتین اندلس" ہے۔ اس میں مسلمانوں
کے عہدِ حکومت کی نامور مسلم اور غیر مسلم خواتین کے حالات دلچسپ پیرائے
میں لکھے گئے ہیں۔ سیرت نگاری میں کوئی اعلیٰ پایہ کی کتاب خواتین نے
نہیں لکھی اس وجہ سے اس قسم کی مساعی خواتین میں مستحسن ضروری سمجھی
جاتی ہیں۔

سیرتوں میں جہاں بانو بیگم کی "محمد حسین[2] آزاد" خاص پایہ کی کتاب
ہے۔ یہ ان کا ام۔ اے کا مقالہ ہے جو کتابی صورت میں چھپ گیا۔ اس میں
انھوں نے محمد حسین آزاد کی زندگی کے متعلق مواد کافی محنت سے فراہم کیا
ہے۔ رضیہ ظہیر نے "سوویٹ روس کی عورتیں" کے نام سے ایک مختصر سی کتاب
شائع کی ہے۔ جس میں روس کی عورتوں کی معاشرتی۔ سیاسی۔ تمدنی حیثیت
پر روشنی ڈالی ہے۔ حال میں رفیعہ شریف نے "قائدِ اعظم محمد علی جناح" کی
زندگی لکھی۔ اور بحیثیت لیڈر اور انسان ان کی حیات کے مختلف پہلوؤں
پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔

اپنی حیات لکھنے کا شوق ابھی خواتین میں عام نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے
کہ اردو میں خواتین کی کوئی اچھی خود نوشت سوانح عمری
شائع نہیں ہوئی۔ اس ضمن میں وزیر سلطان جالندھری کی کتاب "نیرنگیٔ بخت"
اپنی نوع میں واحد ہے۔ اس کا دوسرا نام "میری اپنی کہانی" ہے۔ جو فی الحقیقت

۱۔ عصمت بک ڈپو دہلی۔ ۲۔ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن
۳۔ پیپلز پبلشنگ ہاؤس بمبئی۔

دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ ایسی کتابیں کم دیکھنے میں آتی ہیں جن میں ایک مسلمان خاتون نے اپنے حالات من وعن قلمبند کئے ہوں۔ واقعات فی نفسہ غیر معمولی نہیں ہیں لیکن یہی اس کتاب کی خوبی ہے۔ کہ ایک شریف خاندان کی رکن نے اپنے حالات بیان کئے ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں۔ مصنفہ نے اپنی تصنیف کو سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کے نام سے منسوب کیا ہے۔ جو ان کے بھائی ہوتے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے صرفہ سے یہ کتاب طبع کروائی۔

ریاض فاطمہ نے حال میں "تاجدارِ مدینہ" کے نام سے آنحضرت صلعم کی سوانح عمری لکھی۔ میمونہ سلطان شاہ بانو نے بھی ذکرِ مبارک کے نام سے آنحضرت صلعم کی سوانح حیات لکھی ہے۔ حال میں آنسہ محمودہ رضویہ نے "شمس بازغہ"[۱] کے نام سے آنحضرت صلعم کی سوانح عمری بالکل جدید طریقے پر لکھی ہے۔ جس کے سات عنوان ہیں۔ منیرہ بانو کاؤس جی نے اپنے مذہبی رہنما زرتشت کی سوانح عمری اچھی لکھی ہے۔ جس میں ان کی حیات اور کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

خود نوشت حالات کی دوسری شکل روزنامچے لکھنا ہے۔ اُردو ادب میں کوئی اچھا روزنامچہ طبع نہیں ہوا۔

حسن نظامی کا روزنامچہ اپنے طرز کی خاص چیز ہے۔ خواتین میں نذر سجاد حیدر۔ حجاب امتیاز علی۔ صغرا ہمایوں مرزا کے روزنامچے رسائل میں شائع

---

[۱] مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ہند شاخ کراچی سندھ۔

ے ہیں جو دلچسپی کے اعتبار سے قابلِ مطالعہ ہیں۔ اس خصوص میں
فیضی کی تصنیف "زمانہ تحصیل" اور زہرا بیگم کی سیر یورپ کا بھی
۔

مانہ تحصیل عطیہ بیگم کے زمانہ قیام یورپ کی ڈائری ہے۔ یہ دونوں
دارالاشاعت پنجاب کی جانب سے ۱۹۲۱ء و ۱۹۲۳ء میں بالترتیب
ں۔

ڈرامہ

ردو ڈرامہ کی ابتدا اٹھارھویں صدی میں پڑی۔ جب کاظم علی
نے ۱۸۰۱ء میں نواز کی شکنتلا کو ہندی سے سلیس اُردو میں ترجمہ
ز نے شکنتلا کو سنسکرِت سے ہندی میں منتقل کیا نہ مغلیہ دَور
ہ کی زیادہ سرپرستی نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ جو بہت حد تک
ا ہوتی ہے بادشاہ حسن صاحب حیدر آبادی اپنی کتاب "اُردو
ری" میں یہ بیان کرتے ہیں کہ:

نکہ اسلام میں نقالی جائز نہیں تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے اس
طرف توجہ نہیں کی البتہ اصنام پرست قوموں نے اس فن کے
ج وارتقاء میں حصّہ لیا۔"

د علی شاہ کے عہد میں امانت نے اندر سبھا لکھ کر ڈرامہ کا سنگِ بنیاد

رکھا۔ واجد علی شاہ کو ڈرامہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس طرح گویا ڈرامہ کی بنیاد حسن و عشق اور شعر و شاعری کے ماحول میں پڑی۔ پھر اس میں ترقی تھیٹریکل کمپنیوں اور ناٹکوں کی وجہ سے ہوئی۔ ڈرامہ میں حُسن و عشق کا شمول لازمی تھا جیسا کہ مصنف اُردو ڈرامہ نگاری آگے چل کر لکھتے ہیں:

"عاشق و معشوق کے ناموں کو یکجا کر کے نام رکھ دینا اُردو ڈراموں کی سنت دیرینہ ہے۔ اس ترکیب سے صاف ظاہر ہے کہ ڈرامہ نگار کا مقصدِ اوّلین ہیرو اور ہیروئین کے عشق کی داستان بیان کرنا ہے۔"

خواتین میں سینما یا تھیٹر بینی معیوب خیال کی جاتی تھی۔ اس صورت میں ان سے یہ توقع کہ وہ ایسی تصنیف کریں گی بعید از قیاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین نے اچھے ڈرامے تخلیق کرنے میں وہ سرگرمی نہیں دکھائی جس کا مظاہرہ دیگر اصناف میں کیا گیا۔

جنگِ عظیم کے بعد اُردو ڈرامہ حُسن و عشق کے بندھنوں سے آزاد ہوا اور اس میں دیگر مسائل پیش کئے گئے تو ڈرامہ صحیح معنوں میں زندگی کی تصویر بنا۔ تب ہی سے خواتین نے بھی اس میں دلچسپی لینا شروع کیا۔ موجودہ زمانہ میں ریڈیو کی گرم بازاری نے ڈراموں اور خاکوں کو بے حد مقبول بنایا۔ اس مقبولیت کے ساتھ اس کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوا۔ حیات اور اس کے مختلف مسائل اس کے موضوع بنے۔

انیسویں صدی کے اوائل میں بھی کوئی ڈرامہ نگار خاتون نہیں ملتی۔

عہدِ حاضر میں چند اچھی ڈرامہ نگار خواتین ملتی ہیں جو مندرجۂ ذیل ہیں:

۱۔ عصمت چغتائی۔ ۲۔ ڈاکٹر رشید جہاں۔ ۳۔ آمنہ نازلی۔
۴۔ صدیقہ بیگم سیوہاروی۔ ۵۔ صالحہ عابد حسن۔ ۶۔ مسز ظفر مہدی۔
۷۔ مسز سید احمد۔ ۸۔ حمیدہ بیگم۔ ۹۔ خدیجہ نور الحسن۔

ان خواتین کے ڈراموں کے علیحدہ علیحدہ مجموعے طبع نہیں ہوئے۔ اس لیے ہم ان کی صحیح تعداد بتانے سے قاصر ہیں۔

ڈاکٹر رشید جہاں "نئی تصویریں"[1] مرتبہ سجاد ظہیر سبطِ حسن میں رشید جہاں کے دو "بچوں کا خون" اور "نفرت" شامل ہیں۔ "عورت" میں "عورت" ایک ایکٹ کا ڈرامہ ہے۔ اول الذکر دونوں ڈراموں کا مقصد پروپیگنڈا معلوم ہوتا ہے۔ "نفرت" کی ہیروئین ایک روسی عورت ہے جو جاپانی جنرل کے پنجہ آز سے بچ کر خودکشی کر لیتی ہے۔ گو ڈرامہ مختصر ہے۔ پھر بھی تصور بر جنگ کی ہیبت ناکیاں پوری طرح سے واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک بات جو ہمیں اس میں کھٹکتی ہے یہ ہے کہ رشید جہاں نے صرف روسی عورت کو اس ہمت کا حامل بنایا ہے۔ یہ ممکن ہے۔ لیکن

---

[1] مطبوعہ پیپلز پبلشنگ ہاؤس بمبئی۔

[2] راقم الحروف نے بھی چند ریڈیائی خاکے لکھے ہیں اور اسٹیج کے ڈرامے بھی۔ جن میں بعض تاریخی ہیں اور بعض معاشرتی۔ چند ڈراموں کے نام یہ ہیں:
۱۔ نصب العین۔ ۲۔ جہانگیر (تاریخی)۔ ۳۔ بھاگ متی۔ ۴۔ جیون گتھی۔ ۵۔ طوفان کے بعد۔ ۶۔ گھر داماد۔ ۷۔ مرفع حالی۔ ۸۔ ادیب کی بیوی۔ ۹۔ دوز خیوں کی کانفرنس وغیرہ۔

روس یا جاپان کی تخصیص نہیں۔ ہر جگہ اور ہر ملک کی عورت یہ کام کرسکتی ہے۔

دوسرا ڈرامہ "بچوں کا خون" ہے۔ یہ جاپانیوں کے انسانیت سوز مظالم کا ہلکا سا خاکہ ہے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح جاپانی پچکاری کے ذریعے بچوں کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ کھینچ لینا چاہتے تھے۔ اس کا مقصد بھی پروپیگنڈا معلوم ہوتا ہے اس میں شک نہیں جس مقصد کے لیے انھوں نے لکھا وہ اس میں کامیاب ہیں۔

عصمت چغتائی

یوں تو ایک کامیاب افسانہ نویس ہیں لیکن ان کے ڈرامے افسانوں سے زیادہ کامیاب ہیں۔ وہ ڈرامائی پیش کشی پر بہت قادر ہیں۔ ان کے افسانوں کے کردار بھی ڈرامے کے ایکٹروں کی طرح متحرک ہوتے ہیں۔ اس لیے ڈرامے میں ان کی طبیعت کا جوہر خوب کھلتا ہے۔ فی الوقت ان کے ڈراموں کا کوئی علیحدہ مجموعہ شائع نہیں ہوا ("شیطان" زیرِ طبع ہے) "کلیاں" میں ان کے ڈرامے شامل ہیں۔ ڈرامہ نگاری کے لیے جن لوازم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہیں۔ سب سے پہلے ڈراموں کا موضوع ہے۔ جس طرح وہ افسانوں کے موضوع متوسط گھرانوں کی روزمرہ زندگی سے لیتی ہیں۔ اسی طرح ڈرامے بھی گھریلو زندگی کے نفسیاتی مرقعے ہیں۔ وہ فطرتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں اور مختلف نمونوں کو بتاتی ہیں۔ مثلاً ایک ڈرامہ "سانپ" ہے۔ اس میں عصمت نے زمانہ حاضر کی ایک بے باک لڑکی کا حال لکھا ہے۔ وہ ذہنی حیثیت سے بلند ہے۔ اپنے ٹکر کا رفیق زندگی چاہتی ہے۔ جو ذہنی حیثیت سے اس سے

بالاتر ہو۔ اس لیے وہ "غفار" کو پسند نہیں کر سکتی۔ گو غفار اس کا منگیتر ہے اور اس کو اس سے محبت بھی ہے۔ لیکن ذہنی حیثیت سے وہ اس سے پست ہے۔ اس ڈرامے میں موجودہ زمانے کی آزاد خیال سوسائٹی کی جھلک ہے۔ ڈرامے میں ہلکے سے مزاح نے خاطر خواہ دلچسپی پیدا کر دی. اس کا انجام از حد ڈرامائی ہے۔

دوسرا ڈرامہ "بنے" بچپن کی معصوم محبت کی داستان ہے۔ جو جوانی کی انسیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ "انتخاب" ایک نفسیاتی ڈرامہ ہے۔ جس میں ایک بیوہ کے لاشعور کی گتھی کو واضح کیا ہے۔ "فسادی" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فطرت انسان کا تجزیہ ہے۔

عصمت کے کردار متحرک ہوتے ہیں۔ ڈرامے زندگی کی اصلی تصویر نظر آتے ہیں جس میں کہیں مبالغہ کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔

عصمت چغتائی کے بعد صالحہ عابد حسین کے ڈراموں پر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔ "نقشِ اوّل" میں ان کے چھ ڈرامے شامل ہیں۔

۱۔ آنکھ کا ڈاکٹر ۔ ۲۔ پک تک ۔ ۳۔ سیدہ ۔ ۴۔ الٹا منتر۔
۵۔ بڑے میاں ۔ ۶۔ شادی۔

آنکھ کا ڈاکٹر ـــــ ایک دلچسپ معاشرتی ڈرامہ ہے۔ جس میں ایک اہم اور عام مسئلہ کو منظرِ عام پر لا کر ناظرین کو دعوتِ فکر دی ہے۔ اس کا موضوع وہ رخنہ اندازی ہے۔ جو شادی بیاہ کے وقت غیر متعلق افراد فریقین کے مابین پیدا کر کے انھیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔

پک تک ـــــ دیہاتی اور شہری زندگی کا موازنہ ہے۔ ان کی ذہنیتوں کا تضاد نیز دیہاتیوں کی پُرخلوص سادگی مہمان نوازی کو دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ سب کردار نسوانی ہیں۔ جس میں نوجوان تعلیم یافتہ لڑکیوں کی آپس کی گفتگو چُہل و مذاق نے جان پیدا کر دیا ہے۔ ڈرامہ اسکولوں اور کالجوں میں اسٹیج کرنے کے قابل ہے۔

اُلٹا منتر ـــــ ایک مزاحیہ ڈرامہ ہے۔ ہندوستانی ازدواجی زندگی کا کامیاب طریقے سے خاکہ اُڑایا ہے۔

سیدہ ـــــ ایک اصلاحی ڈراما ہے۔ ہندوستانی شادی کو لوگ اندھے جوئے یا لاٹری سے تشبیہ دیتے ہیں۔ پانسہ سیدھا پڑا تو سیدھا ورنہ عمر بھر کا عذاب اس حقیقت کو اس میں واضح کیا ہے۔

بڑے میاں ـــــ اسٹیج کے قابل ایک ڈرامہ ہے۔ ایک ڈاکٹر کی داستانِ حیات ہے۔ جسے اپنے پیشے سے محبّت ہے۔ وہ تن من دھن سب اس پر قربان کر دیتا ہے لیکن اہلِ دُنیا کسے چین سے دیکھ سکتے ہیں۔ اسے اپنے پیشہ سے محروم کر دیتے ہیں:

ڈرامہ نگاری کی ترقی کے لیے صالحہ عابد حسین کی مساعی قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے پاکیزہ ڈراموں سے اُردو ادب میں اضافہ کیا۔

مسز محمد احمد انصاری مرحوم آج سے سات آٹھ سال پیشتر کی لکھنے والی ہیں۔ فلمی ڈرامے اچھے لکھتی ہیں ان کے ایک ڈرامے "باغبان" کی فلم بن چکی ہے۔ دوسرے دو ڈرامے

"کسان کی لڑکی" اور "منورما" بھی مسز انصاری نے فلم کے لیے ہی لکھے تھے۔ جو مستورات بک ڈپو سے حبیب بلقیس صمد کے زیرِ اہتمام شائع ہوئے۔ "کسان کی لڑکی" دیہاتی زندگی کا خاکہ ہے۔ کہانی عام ہندوستانی فلموں جیسی ہے۔ کوئی جدت اور ندرت نہیں۔ ہیرو امیر ہے ہیروئین غریب اس طبقاتی فرق سے ڈرامے کا پلاٹ بنایا گیا ہے۔ چند موافقات کے بعد دونوں مل جاتے ہیں۔ عام طربیہ ڈرامہ ہے۔

ان کی دوسری تمثیل "منورما" ہے۔ یہ بھی مستورات بک ڈپو سے طبع ہوئی۔ پلاٹ میں ندرت نہیں نہ زبان میں جاذبیت ہے۔ ڈرامے کی ہیروئین ایک دولت مند لڑکی ہے۔ جسے اپنے دولت مند منگیتر کے غریب دوست سے محبت ہو جاتی ہے۔ دولت مند منگیتر مکنہ رکاوٹ ان کے ملاپ میں پیدا کرتا ہے۔ بالآخر محب و محبوب مل جاتے ہیں۔ یہ تمثیل بھی سیدھی سادی ہے۔ بلحاظ زبان اور بلحاظ بیان خاص توجہ کی مستحق نہیں۔

حمیدہ بیگم دورِ حاضر کی اچھی لکھنے والی ہیں ان کے ریڈیائی ڈرامے "یہ بمبئی ہے" اور "سوتیلا بیٹا" علٰحدہ طبع ہو چکے ہیں۔ "یہ بمبئی ہے" خاصہ دلچسپ ڈراما ہے۔ اس میں شہری زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ سوتیلا بیٹا ایک اصلاحی ڈراما ہے۔

صدیقہ بیگم سیوہاروی صدیقہ بیگم سیوہاروی بھی ریڈیائی ڈرامے لکھتی ہیں ان کے ڈراموں کا مجموعہ "ٹوٹے ہوئے گھر" کے نام سے زیرِ طبع ہے۔ ان کے ڈرامے نشری مقصد کے لیے اچھے ہیں کیونکہ "عمل"

کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور زبان نہایت شُستہ و رفتہ ہوتی ہے۔

مسز ظفر مہدی مسز ظفر مہدی بھی ریڈیائی ڈرامے اچھے لکھتی ہیں۔ ان کے نشری ڈراموں کا مجموعہ "لہریں" کے نام سے زیرِ طبع ہے۔

بہ حیثیتِ مجموعی خواتین کے ڈرامے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں "زماں" و "مکاں" اور "عمل" کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ جس سے ڈراموں میں بے ربطی نہیں پیدا ہو سکتی، اعلیٰ پایہ کے ڈرامے اُردو ادب میں مفقود ہیں۔ اس وجہ سے موجودہ مساعی غنیمت نظر آتی ہے۔ انگریزی فرانسیسی ڈراموں کو اُردو میں منتقل کرنے کی خواتین کوشش کریں تو بہت کچھ ترقی کی امید کی جا سکتی ہے[1]۔

تنقید

اُردو ادب میں تنقید کا آغاز در اصل دورِ متوسط سے ہوتا ہے۔ جب میر تقی میرؔ نے نکات الشعرا۔ میر حسن نے تذکرۃ الشعراء اور مصحفی نے

---

[1] انگریزی ادب میں ڈراموں کا خاصہ ذخیرہ ہے۔ برنارڈ شا۔ گالزوردی ہارڈی وغیرہ کے ڈراموں کو اُردو میں اچھی طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔ راقمۃ الحروف نے Galsworthy کے ڈرامے ایک تمثیل "کشمکش" لکھی تھی جو دکن ریڈیو سے نشر ہو کر مقبول ہوئی اور انعام ملا۔

"شعرائے ہندی" لکھا۔ گو ان تذکروں کو تنقید کی صنف میں شامل نہیں
کیا جا سکتا۔ لیکن انھیں تنقید کے مبادیات ضرور سمجھا جاسکتا ہے۔
ان بنیادوں پر انیسویں صدی میں اُردو تنقید کی عمارت اُٹھائی
گئی۔ سرسید اور ان کے رفقا تنقید کے بانی سمجھے جاسکتے ہیں۔ حالی
اور شبلی اس فن کے امام ہیں۔
حالی اور شبلی کے عہد میں جب اُردو ادب میں تنقید کا آغاز ہو رہا
تھا۔ خواتین میں نثر نگاری کی ابتدا پڑ رہی تھی۔ اس صورت میں یہ توقع
بے سُود ہے کہ خواتین نے اچھے انتقادی مضامین پیش کئے ہوں گے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ خواتین کے اشہب قلم نے اس میدان میں کم جولانیاں
دکھائیں۔ خواتین تنقید کی پر خار وادی میں قدم دھرنے ڈرتی ہیں۔
حالانکہ ہر شخص جس میں ذوقِ سلیم ہے تنقید کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا
ہے کیونکہ ادراک کے ساتھ جو جذبہ شامل ہے
اسی سے تنقید کی ابتدا ہوتی ہے۔
فی زمانہ نقادوں میں کسی خاتون کا نام نظر نہیں آتا۔ طالبات جامعہ
کی مساعی اس خصوص میں نامشکور نہیں۔ عثمانی طالبات نے تھوڑا
تحقیقی اور تنقیدی ادب پیش کیا۔ چنانچہ "نذرِ ولی" "حیاتِ آزاد"
"حیاتِ ظفر" "سرسید کی نثر" وغیرہ مقالے اس ثبوت میں پیش کئے
جاتے ہیں۔ نذر ولی میں اُردو شاعری کے ابوالاباء ولی اورنگ آبادی
کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کو ام۔ اے کی طالبات جہاں بانو بیگم

لطیف النساء بیگم۔ نجم النساء بیگم اور نعیم النساء بیگم نے اُجاگر کیا ہے۔ انتقادی ادب میں اس کتاب کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

"حیاتِ آزاد" یوں تو سوانح عمری ہے۔ لیکن جہاں بانو بیگم نے اس میں آزاد کی شاعری کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔

ممتاز شیریں بی۔ اے (میسور) ادبی نقاد کی حیثیت سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ ممتاز شیریں کے تنقیدی مضامین اکثر رسالوں میں بالخصوص "نیا دَور" بنگلور اور ساقی دہلی[1] میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ "نیا دور نمبر ۲" میں انھوں نے ۱۹۴۴ء کے افسانوں پر بڑا مبسوط اور مدلل تبصرہ کیا ہے۔ سلمیٰ رشید صدیقی بھی اس خصوص میں ممتاز ہیں۔ رسالہ "آج کل" دلی میں جدید ادب اور جدید شاعری پر ان کے تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردی[2] نے لندن سے اُردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے اکثر مضامین رسائل میں ۔غالباً اُردو ناول پر ان کا مقالہ تھا۔

حیدر آبادی خواتین نے تنقید میں کافی اضافہ کیا۔ چنانچہ جامعہ عثمانیہ کی فارغ التحصیل خواتین بعض بڑی اچھی اور ذہین نقاد ہیں ان میں سے

---

[1] مندرجۂ بالا حالات محترمہ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمائی ہیں، اس میں لکھا تھا کہ ان کا مقالہ عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گا۔

[2] اب یہ دونوں رسالے کراچی سے شائع ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر، رضیہ بیگم، ڈاکٹر ثمینہ شوکت اور ڈاکٹر شریف النساء کا تذکرہ کئے بغیر تنقید کی تاریخ ادھوری رہے گی۔ سیدہ جعفر کا مطالعہ بہت وسیع اور اسلوب بڑا شگفتہ اور سنجیدہ ہے۔ جس کو وہ اپنی ذہانت سے چار چاند لگا دیتی ہیں۔ رضیہ بیگم کے اسلوب میں بھی انفرادیت ہے وہ ایسی "صاحبِ طرز" لکھنے والی ہیں جن کی مثال خواتین میں خال خال ملتی ہے ڈاکٹر ثمینہ شوکت کو تنقید سے زیادہ تحقیق سے دلچسپی ہے۔ لیکن تحقیق میں وہ تنقید کا بھی جز شامل رکھتی ہیں۔ تحقیق میں ان کی نظر بڑی دقیق ہے۔ یہی حال ڈاکٹر شریف النساء کا ہے۔

باب ہفتم

متفرقات

درسیات۔ ادبِ اطفال۔ صحافت

درسیات خواتین کے ادبی کارناموں کو ابھی تک درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ان کی مرقومہ کتب نصاب میں شامل نہیں کی گئیں۔ اب اس روایت پرستی کا غبار تہ نشین ہونا شروع ہوا ہے۔ چنانچہ اکثر کتابیں خواتین کی لکھی ہوئی مدرسوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ حمیدہ بیگم صاحبہ کی لکھی ہوئی جدید تاریخ اور جدید جغرافیہ صوبہ سرحد

کی فوقانی جماعتوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ محاورات نسوان مصنفہ وزیر بیگم ضیاؔ ادیب فاضل پنجاب کے محکمہ تعلیم نے تمام لائبریریوں کے منظور کیا ہے۔ اس میں دہلی و لکھنؤ کی میٹھی زبان کے محاورات شامل ہیں۔

✓ نوشابہ خاتون بی۔ اے (عثمانیہ) کی کتاب مرجینا طبقہ فوقانیہ کے سرسری مطالعہ کے لیے عثمانیہ میٹرک کے نصاب میں داخل تھی۔ یہ کتابیں چونکہ تعلیمی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ اس وجہ سے حشو و زواید سے پاک ومفید ہیں۔

ادبِ اطفال ادبِ اطفال کی طرف جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے۔ انیسویں صدی کے شروع سے توجہ ہوئی۔ خواتین نے اس شعبہ بڑی سرگرمی دکھائی۔ ابھی تک تقریباً تین چار سو کتابیں خواتین نے چھو بچوں کی دلچسپی اور نفسیات کو مدِنظر رکھ کر لکھیں۔ ادارۂ ادبیاتِ اُردو ایک مجلسِ ادبِ اطفال قائم ہے جس کی جانب سے خواتین نے بھی کئی لکھی ہیں اور کئی زیرِ ترتیب ہیں۔ ادبِ اطفال میں جو خواتین حصہ لے ہیں ان میں رقیہ[1] ریحانہ۔ پرویں[2] رشدی (بھوپال)۔ سرور جہاں[3] رعنا ندر سجاد حیدر[4]۔ امتیاز[5] بیگم۔ آصف جہاں[6]۔ سیدہ جعفری[7]۔ جہاں[8] با مسز[9] فضلی۔ خدیجہ[10] بیگم وغیرہ نمایاں ہیں۔ خدیجہ بیگم نے بچوں کے لیے چھ

---

[1] رقیہ ریحانہ نے تقریباً تیس کتابوں کا سٹ بچوں کے لیے تحریر کیا ہے۔ [2] پرویں رشدی نے ۱۵ کتابیں بچوں کے لیے لکھیں۔ [3] (۳) [4] (۲) [5] (۳) [6] (۴) [7] (۱) [8] (۱) [9] تقریباً (۵)۔

چھوٹے چھوٹے تاریخی ڈرامے لکھے ہیں۔ جو بیک کرشمہ دو کار کا مصداق ہیں۔ اس کا مقصد ہندوستان کی تاریخ سے چھوٹے بچّوں کو واقف کرنا بھی ہے۔ اور عام دلچسپی کے لیے بھی یہ کتابیں سُود مند ہیں ان کے علاوہ و۔ ب۔ سدید، بیگم عبدالقادر۔ بلقیس بیگم۔ مس احمد شاہ وغیرہ مشہور ہیں۔ میمونہ سلطان شاہ بانو نے بھی اس طرف توجہ کی۔ میمونہ سلطان شاہ بانو نے عجائباتِ قدرت کے نام سے بچوں کے لیے ایک کتاب لکھی جس میں سائینس کے عام فہم مسائل سلیس انداز میں بیان کئے ہیں۔

صحافت ہندوستان کے ہر بڑے شہر سے دو تین نسوانی رسالے ضرور نکلتے ہیں۔ جن کو مرتب کرنے اور مضمون لکھنے والی خواتین ہی ہوتی ہیں۔ گو ان کے لیے اُردو صحافت کا باقاعدہ انتظام نہیں۔ اس وجہ سے ہندوستان میں اُردو کی کوئی معروف صحافی خاتون نہیں۔ ضرورت ہے یورپ اور امریکہ کی طرح اخبار نویسی کو فن کی حیثیت دے دی جائے۔ پھر بھی ہندوستانی خواتین جس ذوق اور سلیقے سے اخبار نکالتی ہیں وہ قابلِ تعریف ہے۔ ان رسالوں میں خواتین کی ضرورت کو مدِنظر رکھ کر ان کے لیے مفید مطلب مضامین خواتین ہی سے لکھوائے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں یوں تو بہت سے نسوانی رسائل اور اخبار نکلتے

۱؎ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ مکتبہ ابراہیمیہ پریس میں بھی طبع ہوا یہاں سے مل سکتا ہے۔

ہیں ان میں قابلِ ذکر یہ ہیں :-

عِصمت دہلی ـــــ گو اس کے مدیر رازق الخیری ہیں لیکن اس کی زیادہ تر لکھنے والیاں خواتین ہیں ۔ آمنہ نازلی (بیگم رازق الخیری) رسالے کی ترتیب میں نمایاں حصّہ لیتی ہیں ۔

تہذیب النسوان ـــــ لاہور سے نکلتا ہے ۔ گو اس کے مدیر حمید علی ہیں لیکن اس کی بیشتر مضمون نگار خواتین ہیں ۔ یہ عصمت کی طرح نہایت پُرانا رسالہ ہے ۔ اس کی بانی مُحَمَّدی بیگم صاحبہ نے اُردو ادب کی آرایش میں بہت حصّہ لیا تھا ۔

زیب النّساء لاہور ـــــ اس کی مدیر صغرا ہمایون مرزا شریکِ مدیر تنویر خالدہ اور سنجیدہ اشرف وسیدہ اشرف ہیں ۔ شہزادی دُرِ شہوار کی سرپرستی میں نکلتا ہے ۔

خاتُون (ہفتہ وار) ـــــ بمبئی سے نکلتا ہے ۔ جس کی مدیر مسز عبدالرشید پہلے فاطمہ بیگم منشی فاضل کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا ۔ یہ حقوقِ نسوان کا علمبردار ہے ۔ اوّلین دَور میں خلع ۔ طلاق ۔ وراثت وغیرہ کے مسئلوں پر معرکۃ الآرا مضامین اس میں شائع ہوے ۔

دَستکاری (ہفتہ وار) ـــــ دہلی سے نکلتا ہے ۔ جس کی مدیر بیگم شفیع احمد ہیں ۔ یہ رسالہ بھی حقوقِ نسوان کا علمبردار ہے ۔

سہیلی لاہور ـــــ سہیلی لاہور سے ڈاکٹر خدیجہ فیروزالدین کی سرپرستی زہرہ بتول اور ممتاز رفیع کی ادارت میں شائع ہوتا تھا ۔

پھر ادارت میں تبدیلی ہوئی۔

حریم ـــــ لکھنؤ سے نکلتا ہے۔ اس کی مدیرہ بیگم سلیم انہونوی ہیں اور اس کے حلقۂ ادارت میں بہت سی خواتین مثلاً۔ آنسہ جمال۔ شوکت دلہن وغیرہ شامل تھیں۔

پیامِ نسوان ـــــ بھی رابعہ سلطانہ نگار اور شمیم آرا نجمہ کی ادارت میں لکھنؤ سے نکلتا تھا۔

ظلّ السلطان ـــــ بھوپال سے نکلتا تھا۔

خاتونِ سرحد ـــــ پشاور سے نکلتا تھا۔ اس کی مدیر ناز حمید نی تھیں۔

سُہاگ ـــــ لاہور سے نکلتا ہے۔ اس کے حلقہ ادارت میں ں مشہور خواتین شامل ہیں۔

خاتونِ مشرق ـــــ دہلی سے فہمیدہ خاتون فرحت کی ادارت نکلتا ہے۔

ناہید حیدرآباد ـــــ ناہید حیدرآباد سے بیگم مہدی یار جنگ سرپرستی اور جہان بانو کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

سب رس کے شعبۂ نسوان کی مدیر سکینہ بیگم صاحبہ ہیں۔

حُور ـــــ لاہور سے جہاں بانو۔ بشیر النساء کی ادارت میں شائع ا ہے۔

شعاعِ اُردو ـــــ سندھ سے اب مختلف خواتین شفیق بانو شفقؔ۔

وحیدہ عزیز۔ جہاں بانو۔ شبیر النساء کی ادارت میں نکلتا ہے۔ پہلے آنسہ محمودہ رضویہ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

حیدر آباد سے اختر قریشی "سفینۂ نسواں"۔ سیدہ بیگم خویشگی۔ "ہمجولی"۔ مسز ولی الدین (محب حسین کی دختر) "خادمہ" حمیدہ عسکر علی "خیابانِ دکن" نکالتی تھیں۔

بمبئی سے اصغری بیگم سحر ایک رسالہ "تنویر" نکالتی تھیں۔ سلمیٰ ارشد کچھ دنوں بمبئی سے "حجاب" نکالتی رہیں۔

وزیر بیگم ضیا نے لاہور سے ادارہ "نیرنگِ خیال" سے خواتین کے لیے "لیلیٰ" جاری کیا تھا۔ جالندھر سے "مسلمہ" نکلتا تھا۔ منشی محبوب عالم لاہور سے "شریف بی بی" نکالتے تھے۔

خاتون ارشد علوی پریس بھوپال سے "بانو" نکالتی تھیں۔ کانپور سے جبیب بلقیس بیگم "مستورات" نکالتی تھیں۔

اختر ــــ فاطمہ بیگم منشی فاضل کی ادارت میں لاہور سے اختر نکلتا تھا۔

پردہ نشین ــــ آگرہ سے عزیزی پریس والوں نے مسز خاموش اور آمنہ بیگم کی زیرِ ادارت پردہ نشین نکالا۔

اب بھی آئے دن نئے نئے رسالے نکلتے رہتے ہیں صحافت کا مستقبل جہاں تک خواتین کا تعلق ہے بہت شاندار ہے۔

کتابیات

نام کتاب	مصنفہ	مطبوعہ
نہ پارے	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	مکتبۂ ابراہیمیہ
یں اردو	نصیر الدین ہاشمی	ایضاً
ن تاریخ اردو	حامد حسن قادری	آگرہ اخبار پریس آگرہ
ں اور اردو	نصیر حسین خاں خیال	مطبع عصر جدید کلکتہ
دکھنی مخطوطات	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	ادارۂ ادبیات اردو خیریت آباد
ر الہند	عبد السلام ندوی	دار المصنفین اعظم گڈھ
عراء	عبد الغفور نساخ	نول کشور پریس لکھنؤ
اوید جلد دوم	سری رام	گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور
یں ڈرامہ نگاری	بادشاہ حسن	شمس المطابع حیدر آباد
جمیل	عبد الرزاق بسمل	شمس الاسلام پریس "

۱۱۔ آبِ بقا	عبدالرؤف صاحب عشرتؔ	نامی پریس لکھنؤ
۱۲۔ گلشنِ ہند	مرزا علی لطف	رفاہِ عام اسٹیم پریس لاہور
۱۳۔ مرقعِ سخن جلد دوم	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
۱۴۔ حیاتِ ماہِ لقا	غلام صمدانی خاں گوہر۔	نظام المطابع حیدرآباد
۱۵۔ دخترانِ ہند	پروفیسر علم الدین سالک	ملک ہاؤس لاہور
۱۶۔ شاہانِ مغلیہ کی بیویاں اور ہندو رانیاں	مراد مارہروی	حمیدیہ پریس دہلی
۱۷۔ خواتین عہدِ عثمانی	نصیر الدین ہاشمی	رزاقی مشین پریس حیدرآباد
۱۸۔ تذکرۃ النخواتین	عبدالباری آسی	نول کشور لکھنو
۱۹۔ مشاہیر نسوان	محمد عباس بی۔ اے	مطبع خادم التعلیم پیسہ اخبار لاہور
۲۰۔ خواتینِ دکن کے اُردو خدمات۔	نصیر الدین ہاشمی	رزاقی مشین پریس حیدرآباد
۲۱۔ مخدراتِ تیموریہ	ظہور الحسن بلگرامی	قومی پریس دہلی
۲۲۔ ماڈرن ہندوستان کی مشہور عورتیں	خان احمد حسین خاں	ملک ہاؤس لاہور
۲۳۔ تذکرۃ النخواتین (فارسی)	مرزا مہدی شیرازی	مطبع شاہجہانی بھوپال

ت بھوپال	محمد امین مارہروی	مطبع شاہجہانی بھوپال
؍	بلقیس بیگم	دارالاشاعت پنجاب لاہور
ۃ النسوان ہند	مس چیپ مین (مترجمہ)	مطبع خادم التعلیم لاہور
راتِ اردو	جمیل احمد بریلوی	قومی کتب خانہ بریلی
شبستان	ناظر کاکوری	حریم بک ڈپو لاہور
خ نثر اردو	علی احسن مارہروی	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
بائے افسانہ	عبدالقادر سروری	شمس الاسلا
ر اور افسانہ	؍ ؍	مکتبۂ ا
انہ	مجنوں گورکھپوری	ایوان ا پور
ت کی کہانی	رازق الخیری	عصمت
خ گولکنڈہ	عبدالمجید صدیقی	ادارۂ ادبیات اردو خیریت آباد
ت محمد قلی	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ	؍
وستانی عورتوں	منشی محبوب عالم	مطبع خادم التعلیم لاہور
ضامین		
اردو شاعری نمبر	نیاز فتح پوری	دفتر "نگار" لکھنؤ
سنہ ۱۹ء		

۳۸۔ جلوۂ خضر	صغیر بلگرامی	
۳۹۔ مخدرات	عبدالحلیم شرر	قومی پریس دہلی
۴۰۔ "شاعر" افسانہ نمبر		دفتر "شاعر"، آگرہ
۴۱۔ مختصر تاریخ ادب اُردو	مرتبۂ ادارۂ ادبیات اُردو	ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد
۴۲ دربارِ اودھ کا اثر لکھنؤ کی شاعری پر	محمد اعظم	انجمن طیلسانین دفتر نمایش
۴۳۔ "کارنامہ سروری"	مصنفہ سرور الملک	کتب خانۂ آصفیہ
۴۴۔ "طبقات الشعرا"	مصنفہ کریم الدین	〃

(انگریزی)

مطبوعہ

دی کوآپریٹیو پریس لمیٹڈ

سانچہ توپ - حیدرآباد۔اے پی